

جاسوسی دنیا نمبر 39

اندھیرے کا شہنشاہ

(مکمل ناول)

دولاشیں

اگر یہ واقعہ روز روشن میں پیش آیا ہوتا تو لوگ نہ صرف حیرت سے چیختے بلکہ کئی تو رولس رائیں کار کے پیچھے دوڑنے بھی لگتے۔

لیکن اس وقت رات بھی تھی اور شاید دو بجے ہوں گے۔ شہر کی سب سے بارونق سڑک بالکل ویران تھی اور ایک اندھا فقیر فٹ پاتھ پر ایک عمارت کی دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ دفعتاً ایک رولس رائس کار اس کے قریب ہی آ کر رک گئی۔ اندھا چونک پڑا۔ چار آدمی بہ آہستگی کار سے اترے۔ وہ دبے قدموں اندھے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ لیکن اندھا بھی اب بیٹھا نہیں رہا تھا۔ اس حال میں دیکھنے والے اسے اندھا نہیں سمجھ سکتے تھے۔ وہ نہ صرف کھڑا ہو گیا تھا بلکہ اس پوزیشن میں تھا جیسے اسے کسی کے حملے کا انتظار ہو۔ چار آدمیوں میں سے ایک نے لوہے کی موٹی سی سلاخ نکالی۔ جیسے ہی وہ چاروں اس کے قریب پہنچے اندھا جھکائی دے کر ان کے زرخے سے نکل گیا۔ لیکن پھر اس کے سر پر لوہے کی سلاخ پڑی اور وہ سنبھلنے کی کوشش کرتا ہوا اندھے منہ فرش پر گر پڑا۔ چاروں عقاب کی طرح اس پر جھپٹے۔ اندھے نے چیخنا چاہا مگر اس کا منہ دبا دیا گیا۔

پھر وہ کار سنسان سڑکوں پر تیزی سے دوڑنے لگی۔ کار کے اندر اب بھی جدوجہد جاری

تھی۔ انہوں نے اندھے کو کسی نہ کسی طرح کار میں ٹھونس تو دیا تھا لیکن اب وہ ان کے بس سے باہر ہوا جا رہا تھا۔

اندھے کا چہرہ سر سے بہے ہوئے خون کی وجہ سے حد درجہ خوفناک نظر آنے لگا تھا اور وہ زخمی درندے کی طرح انہیں جھکولے دے رہا تھا۔ ساتھ ہی اس پر گھونسوں اور تھپڑوں کی بارش بھی ہو رہی تھی۔

ان میں سے ایک جو کارڈرائیو کر رہا تھا شاید اچھی حالت میں تھا ورنہ بقیہ تین تو خود بھی بھوت بن گئے تھے۔ ان کے کپڑے پھٹ گئے تھے۔ کسی کا کان زخمی تھا اور کسی کے چہرے پر خون کی لکیریں نظر آ رہی تھیں۔ ایک آدمی کی ناک سے متواتر خون بہہ رہا تھا۔

”کاش میں اس کا گلا گھونٹ سکتا۔“ ایک آدمی ہانپتا ہوا بولا۔

”شش..... شش.....“ انہوں نے جواب میں ایک ہندیانی قبچہ سنا۔ اندھا بے تحاشہ ہنس رہا تھا۔

”تم..... مجھے ختم نہیں کر سکتے۔ مجھے مارنے کے لئے فولاد کا بگڑ چاہئے۔“ اندھا چیخا۔

جواب میں اس کے منہ پر ایک گھونسہ پڑا۔

چاروں کو حیرت تھی کہ اندھا ابھی تک ہوش میں ہے۔ نہ صرف ہوش میں ہے بلکہ ابھی اس میں مقابلے کی قوت بھی باقی ہے۔ جب وہ اس مہم پر روانہ کئے گئے تھے تو ان کے فرشتوں کو بھی اس کی توقع نہیں تھی کہ وہ اندھا دس آنکھ والوں پر بھی بھاری ہوگا۔ وہ سمجھتے تھے کہ وہ اسے ٹانگیں پکڑ کر گھسیٹ لائیں گے۔ اس کام کے لئے انہیں ایک بھاری رقم ملی تھی۔ لیکن اب وہ سوچ رہے تھے کہ اس کام کے لئے وہ بھاری رقم بھی کم تھی۔

آدھا گھنٹہ گزر گیا۔ اب کار شہر کی گھنی آبادی سے نکل کر چوتھم روڈ پر آ گئی تھی۔ یہاں سڑک کے دونوں طرف تھوڑے تھوڑے فاصلے پر چھوٹی بڑی عمارتوں کے سلسلے تھے۔ آگے چل کر کار مشرق کی سمت ایک کچے راستے پر مڑ گئی۔ پھر وہ ایک فلائنگ تک آہستہ آہستہ ریگتی ہوئی بلا آ خر رک گئی۔ اس اجاڑ میدان میں صرف ایک ہی عمارت تھی اور اندھیرے میں اس کا پھیلاؤ کسی قدر خوف انگیز بھی معلوم ہو رہا تھا۔

چاروں نے اندھے کو بڑی بے دردی سے کھینچ کر نیچے اتارا۔ وہ اب بھی ہوش میں تھا لیکن اس نے گلو خلاصی کے لئے جدوجہد نہیں کی۔ ویسے ان میں سے ایک نے احتیاطاً اب بھی اس کا منہ دبا رکھا تھا۔

وہ اسے عمارت کے اندر لائے۔ ان کے داخل ہوتے ہی پے درپے کئی کمروں میں روشنی ہوتی گئی۔ آخر وہ ایک بڑے کمرے میں آئے جہاں ایک آدمی شاید ان کا منتظر تھا۔ اندھے کو ان کے ساتھ دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر ایک تسکین آمیز مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ بدنامی کی حد تک چوڑے شانے اور کوتاہ گردن رکھتا تھا۔ سر بڑا اور اسی کی مناسبت سے چہرہ بھرا ہوا تھا۔ ناک طوطے کی چونچ سے بہت مشابہ تھی۔

چاروں اندھے کے گرد کھڑے تھے اور ان کے سامنے پانچواں آدمی خاموش کھڑا اندھے کو گھور رہا تھا۔

”مسٹر..... عدنان.....!“ ان میں سے ایک نے کھنکار کر کچھ کہنا چاہا لیکن سامنے کھڑے ہوئے آدمی نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش کر دیا۔

”آں.....“ اچانک اندھا چونک کر بڑبڑایا۔ ”مسٹر عدنان.....!“

کوئی کچھ نہ بولا۔ عدنان اس آدمی کو قہر آلود نظروں سے گھور رہا تھا۔ جس نے اس کا نام لیا تھا۔

”کیا تم لوگوں کو موت کے فرشتے نے سوگھ لیا ہے۔“ اندھا گرج کر بولا۔ ”اگر یہ واقعی عدنان ہے تو مجھے اس ملاقات پر افسوس نہ ہوگا۔“

”شاید تم..... خوش ہونے کیلئے زندہ نہ رہو۔“ عدنان ایک پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

”اپنے ذہن کی آنکھیں کھولو.....!“ اندھا ہنس کر بولا۔ ”اور تصور کرو کہ تمہاری لاش ایک

چمیل میدان میں پڑی ہے اور اس پر گدھ منڈلا رہے ہیں۔“

”اندھے بکواس مت کرو..... مجھے نور جہاں کی ضرورت ہے۔“ عدنان نے سرد لہجے میں کہا۔

”تم جانتے ہو کہ میں افریقہ میں اندھیرے کے شہنشاہ کے نام سے مشہور تھا۔“ اندھے

نے کہا۔

”تمہارے دن پورے ہو گئے۔“ عدنان نے کہا اور میز سے چمڑے کا ہنٹر اٹھالیا۔ چند لمحے اندھے کو گھورتا رہا پھر بولا۔ ”مجھے تمہارے بڑھاپے پر رحم آتا ہے۔“

جواب میں اندھے نے قہقہہ لگایا اور پھر طنزیہ لہجے میں بولا۔ ”تمہارے آدمی پہلے ہی مجھ پر کافی رحم کر چکے ہیں اور اب تم بھی کچھ کر کے دیکھ لو۔ لیکن اتنا ضرور سوچ لینا کہ آخر مجھے بھکاریوں کی طرح فٹ پاتھ پر بیٹھنے کی کیا ضرورت تھی۔“

عدنان کا اٹھا ہوا ہاتھ جھک گیا۔ اس کی پیشانی پر تفکر کی گہری لکیریں ابھر آئی تھیں۔

”کیوں!۔“ اندھے نے چڑھانے والے انداز میں کہا۔ ”سوچنے لگے۔ تم ضرور سوچو گے۔ اتنا عظیم آدمی معمولی بھکاری کے روپ میں۔۔۔۔۔ ہا ہا ہا۔۔۔۔۔ سوچو۔۔۔۔۔ جتنی دیر سوچو گے وہی وقفہ دراصل تمہاری زندگی کے آخری لمحات کا حامل ہوگا۔“

عدنان نے پھر ہنٹر والا ہاتھ اٹھایا اور چاروں آدمی اندھے کے پاس سے ہٹ گئے۔ شاید صرف انہیں ہٹانے ہی کیلئے ایک قسم کا اشارہ تھا کیونکہ اس کے بعد ہی پھر اس کا ہاتھ ہنٹر سمیت جھول گیا۔۔۔۔۔ اسکے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کسی الجھن میں مبتلا ہو گیا ہے۔

”سوچ چکے تم!۔“ اندھے کی آواز سنائے میں گونجی۔

”دیکھو میں کہتا ہوں!۔“

”کچھ کہنے کی مہلت نہیں ملے گی۔“ اندھے نے عدنان کو جملہ پورا نہ کرنے دیا۔ ”سنو! مجھے معلوم ہوا تھا کہ جنوبی افریقہ سے کوئی میری تلاش میں آیا ہے۔ میری تلاش کسی کو کیوں ہو سکتی ہے۔ یہ میں اچھی طرح جانتا تھا۔ بہر حال یہ معلوم کرنے کے لئے کہ میری تلاش میں آنے والا کون ہو سکتا ہے میں کھل کر سامنے آ گیا۔ میرا طریقہ کار سو فیصدی کامیاب ثابت ہوا اور اب تم نتیجے کے طور پر میرے سامنے ہو۔۔۔۔۔ ایک ایسے چوہے دان میں جس سے تم کسی طرح نہیں نکل سکتے۔“

”کہا!۔؟“ عدنان سر سے پاؤں تک کانپ گیا۔ وہ خوفزدہ نظروں سے چاروں طرف

دیکھنے لگا تھا۔ اندھے نے قہقہہ لگایا۔ اس کا چہرہ سر سے پہلے ہوئے خون کی وجہ سے سرخ ہو رہا تھا۔ جب وہ قہقہہ لگاتا تو اس کے سفید اور نوکیلے دانت بچ بچ کسی درندے ہی کے دانت معلوم ہوتے۔ ایسے درندے کے دانت جو ابھی ابھی کسی کی لاش ادھیڑ کر اٹھا ہوں۔

”ذرو نہیں عدنان!۔“ اندھے کی تیز سرگوشی کمرے کے سنائے کو چیرتی چلی گئی۔

”میں صرف گلا گھونٹ کر مارتا ہوں۔“

”خاموش رہو۔“ عدنان خوفزدہ آواز میں چیخا اور ساتھ ہی اس کا ہنٹر والا ہاتھ حرکت میں آ گیا۔۔۔۔۔ شائیں۔۔۔۔۔ شائیں۔۔۔۔۔ شائیں۔۔۔۔۔ چوتھی بار اندھے نے ہنٹر پکڑ لیا۔ عدنان نے جھٹکا دیا لیکن اندھے نے اپنی جگہ سے جنبش تک نہ کی۔ اس کے برعکس خود عدنان ہی کچھ آگے کی طرف کھسک آیا۔ دوسرے لمحے میں اندھا ہنٹر کو اپنی کلائی میں لپیٹ رہا تھا اور ہر بل کے ساتھ عدنان کو آگے کی طرف کھسکنا پڑتا تھا۔ چاروں آدمیوں نے جب یہ دیکھا تو وہ خاموشی سے کھڑے نہ رہ سکے۔ ان میں سے ایک بڑی تیزی سے بوڑھے کی طرف بڑھا لیکن ابھی اس کے قریب نہیں پہنچا تھا کہ سامنے والے روشن دان سے ایک فائر ہوا۔ گولی ٹھیک اس کی پیشانی پر بیٹھی اور وہ کسی قسم کی آواز نکالے بغیر پیچھے کی طرف الٹ گیا۔

”عدنان!۔۔۔۔۔ دیکھا تم نے۔“ اندھے نے قہقہہ لگایا۔ عدنان کے ہاتھ سے ہنٹر چھوٹ گیا۔ بقیہ تین آدمی بدحواس ہو کر دروازے کی طرف بھاگے لیکن انہیں باہر جانے کا کوئی راستہ نہ ملا۔ ہر دروازے پر ایک ایک آدمی ریوا لور لئے ہوئے کھڑا نظر آیا۔

عدنان کی پیشانی پر پسینے کی بوندیں پھوٹ آئیں۔

”عدنان!۔“ اندھے کی تیز سرگوشی پھر گونجی۔ ”میرے قریب آؤ۔“

عدنان بے حس و حرکت کھڑا رہا۔ وہ تین آدمی بھی کھسک کر اس کے قریب آ گئے تھے۔

”عدنان کے ساتھیو۔“ اندھے نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ ”میں جانتا ہوں کہ تم لوگ کرائے پر مہیا کئے گئے ہو۔ شاید تمہارا ایک ساتھی تم سے بچھڑ گیا۔ اب تم عدنان کو پکڑ کر میرے قریب

لاؤ۔۔۔۔۔ ورنہ تمہارا بھی یہی حشر ہوگا۔“

”نہیں.... کبھی نہیں۔“ عدنان بے بسی سے چیخا۔

”لو کو! تم نے سنا نہیں۔ میں کیا کہہ رہا ہوں.... عدنان کو ادھر لاؤ۔ میں تمہیں معاف

کردوں گا۔“

وہ تینوں اپنے کام کی اجرت پہلے ہی وصول کر چکے تھے اور پھر انہوں نے ابھی اپنے ایک ساتھی کا انجام بھی دیکھ لیا تھا۔ کسی طرح بھی بچ نکلنے کے امکانات نہیں تھے۔ ہر دروازے پر ایک مسلح آدمی نظر آ رہا تھا اور کسی لمبے بھی ان کی طرف اٹھے ہوئے ریوالور آگ اگل سکتے تھے۔ وہ بوکھلائے ہوئے کتوں کی طرح عدنان پر ٹوٹ پڑے اور عدنان ایک ڈوبتے ہوئے آدمی کی مانند دیوانہ وار ہاتھ پیر مارنے لگا۔ اس کے منہ سے خوفزدہ سی آوازیں نکلنے لگی تھیں۔

آخر کار کسی نہ کسی طرح اندھے کے ہاتھ عدنان کی گردن تک پہنچ ہی گئے۔ عدنان کے حلق سے نکلتی ہوئی آوازیں بند ہو گئیں۔ کمرے میں گہری گہری سانسوں کے علاوہ اور کسی قسم کی آواز نہیں تھی۔ ان تینوں کو اپنے سر چکراتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔ پھر عدنان کے مردہ جسم کے گرنے سے آواز پیدا ہوئی۔ تینوں کے منہ سے سہی سہی سی چیخیں نکلیں اور پھر کمرے میں سناٹا چھا گیا۔



ہوٹل ڈی فرانس کے ایک کمرے میں ایک لڑکی مضطربانہ انداز میں ٹہل رہی تھی۔ اس نے رک کر کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھا۔ ڈھائی بج چکے تھے۔ اُس کے چہرے سے الجھن کا اظہار ہو رہا تھا۔ وہ چند لمبے لمبائی ری پھر کمرے کا دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔ راہداری سنان پڑی تھی۔ آگے بڑھ کر اس نے ایک کمرے کے دروازے پر دستک دی۔

دروازہ کھلنے میں دیر نہیں لگی تھی۔

”اوہ.... آپ....!“ دروازے میں کھڑے ہوئے ایک آدمی نے کہا۔

”ہاں.... میں.... ابھی تک ڈیڈی واپس نہیں آئے۔“

”شاید صبح تک آجائیں۔“ آدمی بولا۔

”نہیں.... میں بہت پریشان ہوں۔ تم سب میرے کمرے میں آؤ۔“

”بہت بہتر۔“

لڑکی پھر اپنے کمرے میں واپس آ گئی۔ تھوڑی دیر بعد وہاں پانچ آدمی اور آگے ان میں دو انگریز تھے اور ایک نیکرو۔ بقیہ دو صورت سے دیسی ہی معلوم ہوتے تھے۔

”مجھے خدشہ ہے۔“ لڑکی نے انگریزی میں کہا۔

”ڈرومت.... بے بی۔“ ایک انگریز بولا۔ ”باس فولا دکا بنا ہوا ہے۔“

”کہیں وہ دھوکا نہ کھائیں۔ میں انہیں کرائے کے آدمیوں سے کام لینے سے روک رہی تھی۔“

”کوئی ہرج نہیں بے بی.... تم سو جاؤ.... ڈرومت۔“

”نہیں مسٹر ڈیگال.... ہم سب وہاں چلیں گے۔“

”تمہاری مرضی....!“ ڈیگال نے شانوں کو جنبش دے کر کہا۔

”تم گیراج سے کار نکالو۔“ لڑکی نے ایک آدمی کی طرف مڑ کر کہا۔

”پتہ نہیں یہاں کا کیا قاعدہ ہے۔“ وہ بڑبڑایا۔ ”اتنی رات گئے گیراج کھل سکے گا یا نہیں۔“

”اوہ جاؤ....!“ لڑکی پیر پیر کر بولی۔ وہ چلا گیا اور لڑکی مضطربانہ انداز میں بڑبڑاتی رہی۔

”ڈیڈی نے غلط طریقہ اختیار کیا۔ آخر وہ اندھا فٹ پاتھ پر بھیک کیوں مانگتا تھا۔“

”بے بی۔“ ڈیگال بولا۔ ”وہ عجیب عجیب حرکتیں کرتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ کسی چکر میں ہو۔“

”اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ تہانہ ہو۔“ لڑکی نے کہا۔

”ابھی تک ہمیں اس کے کسی ساتھی کا علم نہیں ہو سکا۔“

”علم نہ ہونا اور بات ہے۔ ضروری نہیں معاملات تمہارے علم ہی سے مطابقت رکھتے

ہوں۔ اس قسم کا کوئی آدمی کبھی تمہاں نہیں رہ سکتا کیا وہ اندھا نہیں ہے۔“

”ہے تو.... لیکن آنکھ والوں سے بہتر۔ وہ اپنی جانی بوجھی جگہوں پر کار تک ڈرائیو کر سکتا

ہے۔ اس نے ایک بار لندن جیسے بھیڑ بھاڑ والے شہر میں چیرنگ کر اس سے پکا ڈلی تک کار کی

ڈرائیو کی تھی۔“

”میں سن چکی ہوں.... لیکن مجھے یقین نہیں اور اگر یقین کر بھی لوں تو اسے ماننے پر ہرگز

تیار نہ ہوں گی کہ وہ اندھا ہے۔“

”بے بی! وہ سو فیصدی اندھا ہے۔ لیکن اس کی کھال سانپ کی کھال سے بھی زیادہ حساس ہے۔ تم دبے قدموں اس سے تیس گز کے فاصلے پر جاؤ.... اُسے تمہاری موجودگی کا نہ صرف احساس ہوگا بلکہ وہ تمہاری جنس تک سے واقف ہوگا.... وہ آواز پر نشانہ لگاتا ہے۔“

”تب میں اسے آدمی کے بجائے خمیٹ روح کہوں گی.... اور تمہیں کیا کہوں کہ تم نے ڈیڈی کو تنہا جانے دیا۔“

”ہم مجبور تھے۔“ انگریز بولا۔ ”باس کی اسکیم یہی تھی اور تم جانتی ہو کہ وہ بعض اوقات کسی کا مشورہ نہیں قبول کرتے۔“

دلیسی آدمی نے واپس آ کر تیاری کی اطلاع دی۔

تھوڑی دیر بعد ایک کار ہوٹل ڈی فرانس کی کپاؤنڈ سے نکل کر سڑک پر مڑ رہی تھی۔ پھر وہ چیتھم روڈ پر چل پڑی۔

”مسٹر ڈیگال....!“ اندر بیٹھی ہوئی لڑکی نے انگریز کو مخاطب کیا۔

”ہاں.... بے بی.... واقعی تم بہت پریشان ہو۔“

”اگر ڈیڈی کو کوئی حادثہ پیش آ گیا تو۔“

”ہم ابھی زندہ ہیں۔“ ڈیگال بولا۔

کچھ دیر بعد کار اسی عمارت کے سامنے رک گئی جہاں تھوڑی دیر قبل ایک خونی ڈرامہ کھیلا

گیا تھا۔

”بے بی.... تم بقیہ آدمیوں کے ساتھ یہیں ٹھہرو.... میں اندر جاتا ہوں۔“ ڈیگال نے کہا

اور انہیں باہر چھوڑ کر عمارت کے اندر چلا گیا۔ لڑکی کیلئے وہ صبر آزمائیاں تھیں۔ واپسی پر ڈیگال کی رفتار بہت تیز تھی۔ لیکن اس نے پرسکون لہجہ میں کہا۔ ”عمارت ویران ہے۔ وہاں کوئی بھی نہیں۔“

ڈیگال

یہ آٹھواں ہوٹل تھا اور اب سرجنٹ حمید پاگل ہو جانے کی حد تک بور ہو چکا تھا۔ اس کا بس چلتا تو قاسم کی بوٹیاں اڑا دیتا۔ بات یہ ہوئی تھی کہ وہ سرشام ہی ایک ہوٹل میں کھانا کھانے بیٹھے تھے۔ قاسم کی خوراک معلوم.... ظاہر ہے کہ وہ بکرے کی ایک پوری ران اور ایک مرغ مسلم کا ناشتہ کرنے والا آدمی تھا۔ جب اس نے ہوٹل میں بھی گھر ہی کی سی بے تکلفی کا مظاہرہ شروع کیا تو حمید کو اختلاج ہونے لگا۔

”قاسم.... اب بس کرو۔“

”واہ.... تو کیا بھوکا مروں۔“

”دیکھو یہاں کے سارے ویٹر مجھے پہچانتے ہیں۔“

”مجھے بھی پہچان جائیں گے۔ فکر نہ کرو۔“ قاسم سنجیدگی سے بولا۔ ”میں ٹی بی کا مریض تو

ہوں نہیں کہ دس پانچ چپاٹیوں پر قناعت کر لوں۔“

”اچھا.... تو.... یہاں بس کرو۔ کسی دوسرے ہوٹل میں....!“

”واہ.... کیا میں اُلو ہوں.... مذاق مت کرو۔“

”میں تمہارے سر پر پلیٹ توڑ دوں گا۔“

”مگر خالی پلیٹ.... میرا سر کافی مضبوط ہے۔“

”اچھا تو میں جارہا ہوں....!“ حمید نے کہا۔

”نہیں ہو سکتا.... زبردستی کرو گے تو دبوچ لوں گا۔“

حمید کی روح فنا ہو گئی۔ بہر حال اس نے کسی نہ کسی طرح قاسم کو اپنی تجویز پر عمل کرنے پر

آمادہ کر لیا۔

یہ آٹھواں ہوٹل.... ہوٹل ڈی فرانس تھا۔ قاسم اب تک بتیس روٹیاں کھا چکا تھا۔ ممکن ہے

حمید کو پریشان کرنے کے لئے وہ معمول سے زیادہ کھا گیا ہو۔ بتیس روٹیاں بہت ہوتی ہیں۔

قاسم کھانے میں مشغول تھا اور حمید شام کا اخبار دیکھ رہا تھا۔ اس کی توجہ دراصل ایک ایسی خبر نے اپنی طرف مبذول کرائی تھی جو اس کے لئے بھی عملی طور پر پریشانی کا باعث ہو سکتی تھی۔ پرنسٹن کے علاقے کی ایک عمارت میں دو لاشیں پائی گئی تھیں۔ ان میں اس آدمی کی بھی لاش تھی جس نے تین دن قبل وہ عمارت کرائے پر حاصل کی تھی۔ آگے چل کر ان دونوں کا حلیہ تھا۔ حمید نے بھنا کر اخبار میز پر پیش دیا اور قاسم کو اس طرح گھورنے لگا جیسے یہ قتل اسی کی ذات سے تعلق رکھتے ہیں۔

”اب کس ہوٹل میں چلو گے حمید بھائی۔“ قاسم نے مسکرا کر پوچھا۔

”اب میں تمہیں دفن کر دوں گا۔“

”بس دو اسٹیک اور کھاؤں گا۔“ قاسم منہ چلاتا ہوا بولا۔ ”تم کیوں خواہ مخواہ بور ہو رہے ہو۔ کتنی.... فل فلوٹیاں ہیں.... آج یہاں۔“

”ارے او.... آدم خور.... میری تو ساری تفریح برباد ہو گئی۔“

”کیوں....؟“

”دو لاشیں!“

”ہائیں.... کہاں۔“ قاسم کرسی سے تھوڑا سا اٹھ کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ منہ کا نوالہ نکل پڑنے کے قریب تھا۔

”تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا۔“ حمید جھنجھلا کر بولا۔ ”بیٹھو....!“

”ارے تو کھانے کیوں دوڑ رہے ہو۔ میرے ٹھیکے پر ہیں۔ تمہاری لاشیں واشیں سالیاں۔“ حمید کچھ نہ بولا۔ اخبار کی خبر اسکے ذہن میں کچو کے لگا رہی تھی۔ دو لاشیں.... نتیجہ معلوم۔ آج کل ڈی۔ ایس۔ پی سٹی سے بھی گاڑھی چھن رہی ہے۔ اس نے فریدی کو جائے واردات پر ضرور بلایا ہوگا.... پھر بس شامت۔

حمید آج آفس نہیں گیا تھا۔ صبح ہی سے قاسم کے ساتھ حماقتوں کا پروگرام جاری تھا۔ اب وہ سوچ رہا تھا کہ واپسی پر اسے واردات سے متعلق فریدی کا لیکچر ہضم کرنا پڑے گا۔ ان دنوں

حمید پر بڑی طرح کا بلی مسلط تھی۔ تفتیش کے نام ہی سے اس کی جان نکلنے لگتی تھی۔ قاسم کھانا ختم کر کے میز پر طبلہ بجانے لگا۔ پھر اپنا بھاڑ سامنے کھول کر ایک لمبی سی جمائی لی۔ ”حمید بھائی۔“ اس نے آگے جھک کر آہستہ سے کہا۔ ”کیا کچ مج آدمی کی روح سے محبت ہوتی ہے۔“

”اپنے والد صاحب سے پوچھنا۔“

”اوہ.... وہ بچارے کیا بتائیں گے.... مولوی ٹائپ کے آدمی ہیں۔“ قاسم نے منہ بنا کر کہا۔ حمید جھنجھلا کر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اس کی نظر انسپٹر جگدیش پر پڑی جو دو کانشیلوں کیساتھ ہال میں داخل ہو رہا تھا۔ جگدیش نے بھی حمید کو دیکھ لیا تھا۔ وہ سیدھا اسی کی میز کی طرف آیا۔ ”اوہ.... تو آپ پہلے ہی سے موجود ہیں۔“ جگدیش حمید کو مخاطب کر کے بولا۔

”کیا....؟ کیا بات ہے۔“

”بات یہ ہے کہ وہ یہیں مقیم تھا۔“

”کون! کس کی بات کر رہے ہو....؟“

”عدنان.... جس کی لاش....!“

”بس سمجھ گیا۔“ حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”میں نے ابھی اخبار میں دیکھا ہے۔ مگر یہ نام مقامی نہیں معلوم ہوتا۔“

”وہ ترک تھا۔ جنوبی افریقہ کا ایک بہت بڑا تاجر۔ اس کی لڑکی اور کچھ دوسرے لوگ یہیں ٹھہرے ہوئے ہیں۔“

لڑکی کے نام پر حمید اپنا داہنا گال کھجانے لگا۔

”بیٹھ جاؤ۔“ اس نے کہا۔ ”اخبار میں تو کسی گم نام آدمی کی لاش کے متعلق تھا جس نے وہ عمارت کرائے پر لی تھی۔ مالک مکان نے اپنا شہید ظاہر کیا ہے کہ اس نے اپنا صحیح نام نہیں بتایا تھا۔“

”ٹھیک ہے۔“ جگدیش بیٹھتا ہوا بولا۔ ”اس کی جیب میں کچھ ایسے کاغذات ملے جنہوں نے ہمیں فارن آفس سے رجوع کرنے پر مجبور کیا۔ وہاں اس کی اصلیت معلوم ہوئی۔ وہ کسی

تجارتی سلسلے میں یہاں آیا تھا۔ لیکن اسکے ساتھ ایک مقامی آدمی کی بھی لاش پائی گئی ہے اور وہ ایک مشہور بد معاش پنو تھا۔ پنو کی پیشانی پر گولی لگی ہے اور عدنان کو شاید گلا گھونٹ کر مارا گیا ہے۔

”ہز ہائی نس ہارڈ اسٹون بھی موقع پر موجود تھے یا نہیں۔“ حمید نے پوچھا۔

”کون...؟“

”اے تم ہارڈ اسٹون کو نہیں جانتے۔ یہ مسٹر احمد کمال فریدی کا انگریزی ترجمہ ہے۔“

جلد لیش ہنسنے لگا۔ ”ڈی۔ ایس۔ پی صاحب نے انہیں خاص طور سے بلایا تھا۔“

”یہ بہت بُرا ہوا کہ ان دونوں میں صلح ہو گئی۔“ حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

”کچھ بھی ہو حمید صاحب۔ یہ معاملہ پیچیدہ معلوم ہوتا ہے۔“ جلد لیش بولا۔

”عدنان جب یہاں ٹھہرا تو ایک دوسری عمارت کرائے پر حاصل کرنے کی کیا ضرورت

تھی اور اگر اس نے ایسا کیا تھا تو اس کی اطلاع فارن آفس کو کیوں نہیں دی۔ سب سے بڑی

بات تو یہ ہے کہ اس کے ساتھ ایک مقامی بد معاش کی لاش کا کیا مطلب ہو سکتا ہے اور پھر اس

نے وہ عمارت اپنا صحیح نام ظاہر کر کے کیوں نہیں حاصل کی تھی۔“

”ہے تو کچھ ایسا ہی...!“ حمید پائپ میں تمباکو بھرتا ہوا بولا۔ ”کیا تمہیں یقین ہے کہ

اس کے دوسرے ساتھی اب بھی یہیں مقیم ہیں۔“

”قطعاً! وہ یہیں ہوں گے۔ ابھی تک کسی نے لاش کا مطالبہ نہیں کیا۔“

جلد لیش جیب سے نوٹ بک نکالتا ہوا بولا۔ پھر اس نے کچھ صفحات الٹنے کے بعد کہا۔

”ایک تو عدنان کی لڑکی فوزیہ ہے۔“

”فوزیہ...!“ قاسم بڑبڑایا۔ ”نہیں فوزیہ ہوگا... فوج سے فوزیہ... ترک عورتیں بڑی

دھاڑھوتی ہیں۔“

”نہیں جناب فوزیہ۔“ جلد لیش نے کہا پھر حمید سے مخاطب ہو گیا۔ ”دوسرا اس کا سیکریٹری

ڈیگال ہے یہ انگریز ہے۔ دو باڈی گارڈ ہیں۔ ایک لیوکاس اور دوسرا نیکرو ہے۔ لیوکاس بھی

انگریز ہے۔ دو دیسی ہیں۔ لیکن افریقہ کے باشندے... امرنگھ اور دولت رام...!“

”پھر تم اب... تم کیا کرو گے۔“

”سوال بڑا ٹیڑھا ہے۔“ جلد لیش مسکرا کر بولا۔ ”خیر اٹھئے۔ ہو سکتا ہے کہ لڑکی آپ کے

ٹیسٹ کی ہو۔“

قاسم نے بڑے زور سے قہقہہ لگایا اور حمید دانت پیس کر رہ گیا۔

”آؤ...!“ حمید اٹھتا ہوا بولا۔

”میں بھی۔“ قاسم نے دانت نکال کر کہا۔

”نہیں... تم میرا انتظار کرو۔“

اس جواب پر قاسم کا حلیہ قابل دید تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی نے سر بازار چپٹ

رسید کر دی ہو۔ وہ ہنسا تو ضرور مگر یہ ہنسی شرمندگی کا رد عمل تھی۔

حمید نے کاؤنٹر کلرک سے عدنان کے کمروں کے نمبر معلوم کئے اور پھر وہ لوگ آگے بڑھ

گئے۔ کمرے اوپری منزل پر تھے۔

انہوں نے پہلے جس کمرے کے دروازے پر دستک دی وہ اندر سے بند تھا۔ تھوڑی دیر

بعد کسی نے دروازہ کھولا۔ اندر گہرے نیلے رنگ کی روشنی تھی۔ اس لئے اس کی صورت صاف

نہیں نظر آئی۔

”کیا مس فوزیہ موجود ہیں۔“ حمید نے انگریزی میں پوچھا۔

”کیوں...؟“ لہجہ کسی انگریز کا تھا۔

”پولیس... ہمیں ان سے یا مسٹر عدنان کے سیکریٹری سے گفتگو کرنی ہے۔“

”کیا بات ہے؟“ مخاطب نے کہا اور کمرے کا دوسرا بلب روشن کر دیا۔ ایک انگریز شب

خوابی کے لہادے میں ان کے سامنے کھڑا تھا۔

”مسٹر ڈیگال کہاں ہیں؟“

”میں ہی ہوں... کیا بات ہے۔ اندر آ جائیے۔“

کمرے میں ڈیگال کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ حمید نے اندر داخل ہو کر چاروں طرف

مجتہسانہ نظریں ڈالیں اور پھر ڈیگال سے مخاطب ہو گیا۔

”مسٹر عدنان کچھلی رات کو کہاں تھے۔“

”کیوں؟“

”مسٹر ڈیگال مجھے افسوس ہے کہ اس وقت ہم صرف سوال ہی کرنا پسند کریں گے۔“ حمید

نے خشک لہجے میں کہا۔

ڈیگال چند لمحے اسے تحریر آمیز نظروں سے دیکھتا رہا پھر بولا۔

”وہ اپنے کسی مقامی دوست کے ساتھ تھے اور آج رات بھی اسی کے ساتھ بسر کریں گے۔“

”دوست کا نام اور پتہ۔“

”یہ انہوں نے نہیں بتایا تھا..... لیکن! آپ کل دس بجے دن کو ان سے یہیں مل سکتے

ہیں۔“ ڈیگال نے کہا۔

”مجھے افسوس ہے کہ شاید کبھی اس کی نوبت نہ آئے۔“

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“

”انہیں کسی نے..... گلا گھونٹ کر مار ڈالا۔“

”کیا!...“ ڈیگال چیخ پڑا، اور یہ چیخ بے ساختہ قسم کی تھی۔ اس پر کوئی یہ نہیں کہہ سکتا تھا

کہ ڈیگال کچھلی رات کو خود اپنی آنکھوں سے عدنان کی لاش دیکھ چکا ہوگا۔

”جی ہاں..... مس فوزیہ کہاں ہیں۔“

”نہیں..... نہیں۔“ ڈیگال مضطربانہ انداز میں بولا۔ ”آپ بے بی کو اتنی بڑی خبر اس طرح نہیں

سنا سکتے۔ لاش کہاں ہے..... کہاں ملی تھی..... مجھے بتائیے..... اوہ..... میرے خدا..... ناممکن..... ناممکن۔“

”آپ کے بقیہ ساتھی کچھلی رات سے اب تک کہاں رہے ہیں۔“ حمید نے پوچھا۔

”یہیں..... میرے ساتھ۔“

”کل رات آپ لوگ کہیں نہیں گئے۔“ جگدیش نے پوچھا۔

”نہیں!...“

”لیکن..... چوکیدار!...“

”ظہریے!...“ ڈیگال بات کاٹ کر بولا۔ ”یاد آ گیا۔ ہم تقریباً دو بجے کچھ دیر کے لئے

باہر گئے تھے۔“

”خوب۔ کیا کسی خاص ضرورت کے تحت؟“ حمید نے طنز یہ لہجے میں پوچھا۔

”اوہ..... بات یہ ہے کہ بے بی بہت ضدی لڑکی ہے۔ اچانک رات کو اس پر تفریح کا

دورہ پڑا۔“

”کیا قرطیہ نے آپ لوگوں کے ٹیکے نہیں لگائے تھے۔ ہمارے یہاں یہ مرض نہیں پایا

جاتا۔“

”بس وہ ضدی ہے۔ کیا کہا جائے..... لیکن یہ قتل۔ مجھے یقین نہیں آتا۔ یہاں ان کا کون

دشمن ہو سکتا ہے۔“

”کوئی بھی نہیں۔“ حمید نے سر ہلا کر کہا۔ ”میرا خیال ہے کہ وہ اپنے کسی دشمن کو اپنے

ساتھ ہی لائے تھے۔“

”ناممکن جناب۔“ ڈیگال کے لہجے میں غصہ تھا۔ ”ہمارے سب آدمی معتبر ہیں۔“

”تو آپ کچھلی رات کہاں کہاں گئے تھے۔“

”ہمیں یہاں کی جگہوں کے نام تو ابھی معلوم نہیں۔ ادھر ادھر چکر لگانے کے بعد ہم پھر

واپس آ گئے تھے۔ شاید آدھ گھنٹہ باہر رہے ہوں۔“

”پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے مطابق دونوں کی موتیں دو اور چار کے درمیان میں ہوئی

ہیں۔“ جگدیش نے حمید سے اردو میں کہا۔ ”اور یہ ایک ضدی لڑکی کی تفریح کا افسانہ بنا رہا

ہے۔ دو بجے رات کی تفریح..... چوکیدار کا بیان ہے کہ یہ سب لڑکی سمیت باہر گئے تھے۔“

”یار مجھے تو یہ لڑکی بھی نابالغ ہی معلوم ہوتی ہے۔“ حمید نے کہا۔ پھر انگریزی میں ڈیگال

سے پوچھا۔ ”مس فوزیہ اس وقت کہاں مل سکیں گی۔“

”میں آپ سے استدعا کرتا ہوں۔“ ڈیگال نے ملتجیانہ انداز میں کہا۔ ”بے بی کوئی الحال

اس معاملے سے دور ہی رکھے۔ ویسے میں ہر حکم کی تعمیل کے لئے تیار ہوں۔“

”آپ کو ہمارے ساتھ کو توالی تک چلنا ہوگا۔“ جلد لیش نے کہا۔ ”تاکہ آپ لاش کو شناخت کر سکیں۔“

”میں تیار ہوں۔“ ڈیگال بولا۔ ”میں بے بی کو رفتہ رفتہ بتاؤں گا۔ ورنہ ممکن ہے کہ وہ صدمے ہی سے مر جائے۔“

”ٹھیک ہے۔“ حمید نے اردو میں کہا۔ ”تم اسے کو توالی لے جاؤ۔ بقیہ میں دیکھ لوں گا۔“ پھر جیسے ہی حمید دروازے کی طرف مڑا اس نے محسوس کیا کہ کوئی تیزی سے دروازے کے قریب سے ہٹا ہے کیونکہ راہداری میں اسے ایک لمبا سا سایہ دکھائی دیا تھا۔ وہ تیزی سے آگے بڑھا۔ ایک آدمی راہداری کے آخری سرے پر دوسری طرف مڑتا ہوا نظر آیا۔ حمید سوچنے لگا۔ ممکن ہے اسے دھوکا ہوا ہو۔ ویسے پہلے اسے خیال ہوا تھا کہ شاید کسی نے باہر سے ان کی گفتگو سننے کی کوشش کی تھی۔

ڈیگال جلد ہی تیار ہو گیا اور وہ سب نیچے چلے آئے۔ قاسم اسی میز پر بیٹھا رہا تھا۔ حمید پھر وہیں آ بیٹھا۔ جلد لیش اور اس کے ساتھی ڈیگال سمیت باہر چلے گئے۔ قاسم حمید کی آہٹ پر چونک پڑا تھا۔ اس نے آگے جھک کر آہستہ سے پوچھا۔ ”حمید بھائی۔ کیسی ہے..... اللہ قسم میں نے آج تک کوئی ترک لوٹیا نہیں دیکھی۔ ویسے سنتا ہوں کہ بڑی نگڑی ہوتی ہیں۔“

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ دوبارہ اوپر جانے کے متعلق سوچ رہا تھا۔ ان لوگوں نے سات کمرے لے رکھے تھے۔ فوزیہ انہیں میں سے کسی ایک میں ہوگی۔

”قاسم.....!“ اس نے کہا۔ ”اب تم گھر جاؤ۔ میرے لئے ایک سرکاری کام نکل آیا ہے۔

شائد مجھے رات بھر یہاں بیٹھنا پڑے۔“

”میں ہرگز نہیں جاؤں گا۔ الو بناتے ہو۔ خود جھلکے..... ار..... مجھوے اڑاؤ گے.....

ضرور لوٹیا..... زور دار ہے۔“

”اے کوئی لوٹیا..... دوٹیا نہیں۔ آٹھ سال کی بے بی ہے ہر کس و ناکس سے ٹافوں

کے لئے ضد کرتی ہے۔ نہ دو تو بچی کھوٹتی ہے وغیرہ وغیرہ۔“

”لا حول ولا قوۃ.....!“ قاسم بڑا سامنے بنا کر بولا۔ ”تب یہ جلد لیش سالہا چنڈ ہے کیا۔“

”نہیں چنڈ کا سالہا ہے۔ اب تم جاؤ۔ ہو سکتا ہے کہ یہاں رکنے پر تمہیں میرے ساتھ

شراب بھی پینی پڑے۔“

”بس بس! معاف کرو میں چلا۔ ابھی میری پیٹھ پر سیاہ نشان موجود ہیں۔“

خونخاک اندھا

فریدی نے اپنے مخاطب کو گھور کر دیکھا۔ وہ بھدے خدو خال کا ایک مضبوط جسم والا جوان تھا۔

”تم کچھ چمپا رہے ہو۔“ فریدی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے آہستہ سے کہا۔

”یقین کیجئے! میں کچھ نہیں جانتا۔ جو کچھ معلوم تھا میں نے پولیس کو بتا دیا۔“

”مجھ میں اور پولیس میں فرق ہے۔ اس لئے تم مجھے کچھ اور بھی بتاؤ گے۔“

”میں اب کیا بتاؤں۔ بڑی مصیبت میں پھنس گیا۔ آخر آپ کیا جاننا چاہتے ہیں۔“

”تم لوگوں کی رسائی عدنان تک کیسے ہوئی تھی۔“

”میں کسی عدنان کو نہیں جانتا۔ پنو سے میری دوستی ضرور تھی لیکن میں اس کے کسی کام میں حصہ نہیں لیتا تھا۔“

”سفید جھوٹ.....!“ فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔ ”کل رات تم پنو کے ساتھ تھے۔

تم چاروں نے سن سٹ بار میں شراب پی۔ یہ قوف آدمی یہ نہ بھولو کہ کل تم لوگ ایک رولس

رائس کار میں تھے۔ تم جیسے لوگوں کا کسی رولس رائس کار میں بیٹھنا بجائے خود ایک بہت بڑا

اشتہار ہے اور پھر یہاں کے بد معاشوں کی نقل و حرکت مجھ سے چھپی نہیں رہتی۔ چلو اگلے دو۔
میں بقیہ دو آدمیوں سے زیادہ تمہیں معتبر سمجھتا ہوں۔ وہ کار کس کی تھی۔“
مخاطب کا چہرہ اتر گیا۔

”ہاں ہاں.... کہو....“ فریدی نرم لہجے میں بولا۔

”مجھے نہیں معلوم.... دیکھئے ایک وجہ سے میں نے پولیس سے جھوٹ بولا تھا۔ کیا آپ

میری گردن پھنسا دیں گے۔“

”حالات پر منحصر ہے۔“

”آپ جانتے ہیں کہ پنو ہی ہمارا سرغنہ تھا۔“

”میں جانتا ہوں.... آگے کہو۔“ فریدی گھڑی کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

”پنو ہی نے عدنان سے معاملہ طے کیا تھا۔ بات اتنی تھی کہ ہمیں ایک اندھے فقیر کو فٹ پاتھ سے اٹھا کر اس عمارت میں پہنچانا تھا۔ اس کے لئے ہمیں چار ہزار ملے تھے۔“

”کیا....؟“ فریدی تھیر آئیز انداز میں آگے کی طرف جھک گیا۔

”کسی کو یقین نہیں آئے گا۔“ مخاطب نے کہا۔ ”اسی لئے میں نے پولیس کو کچھ نہیں بتایا

تھا۔ لیکن آپ سے پار پانا مشکل ہے۔ شاید آپ بھی یقین نہ کریں۔ بہر حال میں آپ کو سب کچھ بتا دوں گا۔“

اور پھر اُس نے اندھے پر قابو پانے اور پنو کے قتل تک کے واقعات دہرا دیئے۔ وہ کچھ دیر کے لئے رکا۔ شاید وہ عدنان کا انجام بتاتے ہوئے ہچکچا رہا تھا۔ کیونکہ خود اُس نے اور اس کے دو ساتھیوں نے عدنان کو گھسیٹ کر اندھے تک پہنچایا تھا۔

”ہوں....!“ فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ”اور عدنان کا۔“

”اندھے نے گلا گھونٹ دیا۔“

”اور اُس نے تم تینوں سے کوئی تعرض نہیں کیا.... کیوں....؟“

”کچھ نہیں۔ اس کے بعد انہوں نے ہمیں عمارت سے نکال دیا۔“

”اور اس رولس راکس کا کیا ہوا۔ وہ کس کی تھی؟“

”ہمیں نہیں معلوم۔ عدنان نے کہیں سے مہیا کی تھی۔ ہم تو اس کے بعد سر پر پیر رکھ کر بھاگے تھے۔“

”تم اب بھی کچھ چھپا رہے ہو۔“ فریدی خشک لہجے میں بولا۔

”اوہ! ٹھیک یاد آیا.... میں بھول ہی گیا تھا۔ عدنان نے اندھے سے کہا تھا کہ مجھے فور جہاں کی ضرورت ہے۔“

”نور جہاں....!“ فریدی آہستہ سے بولا۔ ”کوئی اور بات۔“

”نہیں.... اس کے بعد پھر کوئی گفتگو نہیں ہوئی۔“

کچھ دیر خاموشی رہی۔ فریدی اسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ بالآخر اس نے پوچھا۔ ”کچھ اور....!“

”اور کچھ نہیں.... بس یہی غنیمت ہے کہ اپنی جانیں بچ گئیں۔ کیا آپ مجھے پولیس کے حوالے کر دیں گے۔“

”نہیں.... لیکن اس وعدے پر کہ تم شہر چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤ گے۔“

”آپ یقین کیجئے کہ میں آپ کے حکم کا پابند رہوں گا۔ لیکن دوسروں کی ذمہ داری نہیں لے سکتا۔“

”انہیں کچھ بتانے کی ضرورت ہی نہیں۔ انہیں یقین دلاتے رہو کہ پولیس کو کچھ نہیں معلوم ہو سکا۔“

”میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔“

”میں جانتا ہوں....“ فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ”تم اب بھی جھوٹ بول رہے ہو۔“

”یقین کیجئے.... اور....!“

”نہیں.... ٹھہرو.... تمہاری داہنی کلائی پر چاندی کا ایک تعویذ ہوا کرتا تھا۔“

”جی ہاں..... جی ہاں..... میرا خیال ہے کہ وہ پچھلی رات اندھے کو اٹھانے کے وقت میں کہیں گر گیا۔“

”فریدی نے جیب سے چاندی کا ایک تعویذ نکالا جس کے دونوں سروں پر چاندی کی زنجیریں لٹک رہی تھیں۔“

”جی ہاں..... یہی ہے۔“ اس نے کہا۔

”لیکن یہ مجھے کسی فٹ پاتھ پر نہیں ملا۔“

”تو پھر..... اسی عمارت میں ملا ہوگا۔“

”یہ عدنان کے گریبان میں الجھا ہوا تھا..... کیوں؟..... میں اس کا جواب چاہتا ہوں۔“

ایک بار پھر اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ آنکھوں سے خوف جھانکنے لگا تھا۔

”وہ..... دیکھئے..... آپ خود بتائیے..... ہم پر چاروں طرف سے پستول اٹھے ہوئے تھے۔“

پتو کا انجام ہم دیکھ ہی چکے تھے..... پھر.....!“

وہ خاموش ہو گیا۔ فریدی کچھ نہ بولا۔ البتہ اب بھی اس کی نظریں استفہامیہ انداز میں

اس کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔

”اندھے نے کہا۔“ وہ کچھ دیر بعد بولا۔ ”اگر ہم عدنان کو پکڑ کر اس کے قریب نہ لے

گئے تو ہم بھی پتو کے پیچھے روانہ کر دیئے جائیں گے۔ مجبوراً ہمیں عدنان کو کھینچ کر اس کے قریب

لے جانا پڑا۔ زندگی سب کو عزیز ہوتی ہے۔“

”خیر..... دوسری بات۔“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”اندھے نے تمہاری آزادی کے

لئے کوئی شرط نہیں پیش کی تھی۔“

”جی نہیں..... قطعی نہیں..... انہوں نے دھکے دے کر ہمیں عمارت سے باہر نکال دیا تھا۔“

”اگر تم اُسے اب کہیں دیکھو تو پہچان جاؤ گے۔“

”کہہ نہیں سکتا..... ہمیں اس کی شکل دیکھنے کا ہوش ہی نہیں تھا۔ ہو سکتا ہے کہ پہچان ہی

لوں لیکن یقین نہیں ہے۔ مجھے اس کی شکل یاد نہیں۔“

”خیر..... ہم دیکھیں گے کہ تمہاری داستان کا کتنا حصہ درست ہے۔ اب تم جاسکتے ہو۔ لیکن اپنے وعدے پر قائم رہنا۔ ورنہ پھر میں کچھ نہ کر سکوں گا۔“



سرجنٹ حمید نے یکے بعد دیگرے عدنان کے سارے کمرے کھلوائے لیکن کسی میں بھی کوئی لڑکی نہ ملی۔ انگریز ٹیکرو اور دونوں ہندوستانی موجود تھے۔ انہوں نے بتایا کہ چند منٹ قبل وہ اپنے کمرے میں موجود تھی۔ ان لوگوں نے بھی اس کی عدم موجودگی پر تشویش ظاہر کی کیونکہ ان کے بیان کے مطابق فوزیہ ان میں سے کسی کو ساتھ لئے بغیر ڈائینگ ہال تک بھی نہیں جاتی تھی..... حمید نے ان کے ساتھ ہوٹل کا کونا کونا چھان ڈالا لیکن فوزیہ نہ ملی۔ پھر وہ گیراج میں آئے۔ لیکن ان کی کار بھی موجود تھی۔

”کیا مصیبت ہے۔“ لیو کاس بڑبڑایا۔ ”مسٹر عدنان کا حکم تھا کہ بے بی تنہا باہر نہ جائے۔“

اب وہ اگر مجھ سے جواب طلب کریں گے۔“

”کون.....!“ حمید نے پوچھا۔

”مسٹر عدنان۔“

”کیا واقعی تمہیں امید ہے کہ وہ واپس آئیں گے۔“

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“

”مسٹر ڈیکال اُن کی لاش شناخت کرنے کے لئے گئے ہیں۔“

”لاش.....؟“ سکھوں کے منہ بے یک وقت نکلا۔

”ہاں..... پچھلی رات کسی نے انہیں مار ڈالا۔“

”کیا بکواس ہے؟“ لیو کاس ہنسنے لگا۔

”کیا تمہیں بات کرنے کا بھی سلیقہ نہیں۔“ حمید نے تیز لہجے میں کہا۔ ”تم ایک ذمہ دار

افسر سے گفتگو کر رہے ہو۔“

لیوکاس کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ڈیگال واپس آ گیا۔

”کیوں؟“ حمید نے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر کہا۔

”اوہ... سچ مچ!“ وہ مضطربانہ انداز میں اپنے ہاتھ ملتا ہوا بولا۔ ”وہ مسٹر عدنان ہی کی

لاش ہے۔“

اس کے دوسرے ساتھیوں نے اس پر سوالات کی بوچھاڑ شروع کر دی۔ البتہ نہ جانے کیوں حمید کو لیوکاس کا رویہ کچھ غیر فطری سا معلوم ہو رہا تھا... اس نے بڑے بھونڈے اور تصنع آمیز لہجے میں ڈیگال کو فوزیہ کی کشدگی کے متعلق بتایا۔

حمید کو شروع ہی سے اس معاملے میں کوئی چیز کھٹک رہی تھی اور پھر اُس کے ذہن میں یہ بات بھی تھی کہ وہ پچھلی رات کو دو بجے... کہیں باہر گئے تھے اور اُس کے لئے انہوں نے ایک عذر لنگ پیش کیا تھا۔ اس عذر لنگ کا تعلق فوزیہ کی ذات سے تھا اور اب فوزیہ اچانک پر اسرار طریقے پر غائب ہو گئی تھی۔ اس سے کیا سمجھا جائے۔

حمید نے سوچا کہ کیوں نہ فریدی کو فون کر دیا جائے۔ لیکن وہ ہال سے ہٹنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر فوزیہ کی کشدگی میں انہیں لوگوں کا ہاتھ ہے تو وہ ابھی اُسے ہوٹل کے باہر نہ لے جا پائے ہوں گے۔ ہو سکتا ہے کہ اسکی عدم موجودگی میں انہیں اس کا موقع مل جائے۔ ڈیگال اپنے ساتھیوں پر بڑی طرح برس رہا تھا۔ حتیٰ کہ اس نے انہیں نمک حرام تک کہہ دیا۔ جس پر نیگرو کو غصہ آ گیا اور اسے مارنے کیلئے جھپٹا۔ دوسرے لوگ فوراً درمیان میں آ گئے۔ اسی دوران میں حمید کو کارڈر کے سرے پر فریدی دکھائی دیا جو ایک ویٹر کے ساتھ اسی طرف آ رہا تھا۔

”اوہو... تو تم یہاں ہو۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”میں صبح ہی سے اسی پکڑ میں ہوں۔“ حمید نے کہا۔

”بکواس مت کرو... مجھے معلوم ہے کہ تم بہت سچے ہو... خیر... یہاں کیا ہو رہا ہے۔“

حمید نے مختصر آماجرا بیان کر دیا۔ فریدی چند لمحے خاموش رہا پھر آہستہ سے بولا۔ ”میرا

خیال ہے کہ وہ ابھی ہوٹل ہی میں مل جائے گی۔“

”میں بھی یہی سوچ رہا تھا کہ اگر اُس کی کشدگی میں ان لوگوں کا ہاتھ ہے تو یہ ابھی اسے باہر نہ لے جا پائے ہوں گے۔“

ڈیگال اب بھی اپنے ساتھیوں سے الجھا ہوا تھا۔ حمید نے فریدی کو بتایا کہ وہ عدنان کا سیکریٹری ہے۔

فریدی نے آگے بڑھ کر اُن سے اپنا تعارف کرایا اور پھر ڈیگال کو مخاطب کر کے کہا ”مجھے ابھی معلوم ہوا ہے کہ لڑکی غائب ہو گئی۔“

”جی ہاں... مجھ سے غلطی ہوئی کہ میں نے چند ٹالانتوں پر اعتماد کر لیا۔ میں لاش کی شناخت کے لئے پولیس اسٹیشن چلا گیا تھا۔“

”کیا وہ اپنے کمرے ہی میں تھی۔“ فریدی نے ایک ایک کے چہرے کا جائزہ لیتے ہوئے جملہ پورا کیا... جواب اثبات میں ملا... لیکن انہوں نے اُسے اُس کے کمرے سے برآمد ہوتے نہیں دیکھا تھا۔

”میں اس کا کمرہ دیکھنا چاہتا ہوں۔“ فریدی نے کہا۔

”آئیے...!“ ڈیگال ان کے آگے ہولیا۔ کمرے میں پہنچ کر فریدی نے سرسری طور پر قرب و جوار کا جائزہ لیا۔ یہاں ایک طرف ایک بڑی سی مسہری پڑی ہوئی تھی جس کے سر ہانے ایک میز تھی جس پر لکھنے پڑھنے کا سامان تھا۔ دو کرسیاں... لمبوسات کی الماری... اس نے معنی خیز نظروں سے حمید کی طرف دیکھا۔ پھر وہ دوسرے آدمیوں کی طرف مڑا۔

”کیا مس فوزیہ ایک ہی جوتا پہن کر باہر گئی ہیں۔“ اس نے ڈیگال سے کہا۔

”کیا مطلب... میں نہیں سمجھا۔“

فریدی اُسے کوئی جواب دینے کی بجائے حمید سے بولا۔ ”تم برابر والے کمرے کے دروازے پر پھہرو۔“

حمید باہر چلا گیا۔ اُسی کے پیچھے لیوکاس بھی نکلا اور اپنے کمرے میں جانے لگا۔

”نہیں جناب۔“ حمید اُسے روک کر بولا۔ ”ابھی آپ کمرے میں نہیں جاسکتے۔“

”کیوں؟“ اس نے غصیلی آواز میں پوچھا۔

”ہم مس فوزیہ کو تلاش کر رہے ہیں۔“

”پاگل تو نہیں ہو..... ہم پہلے بھی ان سارے کمروں میں تلاش کر چکے ہیں۔“

”فکر نہ کرو۔“ حمید نے لا پرواہی سے شانوں کو جنبش دے کر کہا۔ ”میرا چیف سگریٹ

کیس سے ہاتھی برآمد کر لیتا ہے۔“

”جنہم میں گیا تمہارا چیف..... مجھے اندر جانے دو۔“

”نہیں اُسی کو جانے دو..... تم مت جاؤ۔“ حمید سنجیدگی سے بولا۔

ادھر فریدی نے فوزیہ کے کمرے کا غسل خانہ کھولا۔ پھر اس نے ڈیگال کو آواز دی۔ فوزیہ

فرش پر اونچھی پڑی تھی۔

”ارے.....!“ ڈیگال خیر آمیز انداز میں چیخا۔

وہ اسے اٹھا کر کمرے میں لائے اور مسہری پر ڈال دیا۔ وہ بے ہوش تھی اور سانس رک

رک کر آ رہی تھی۔

”آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے۔“ ڈیگال بوڑھایا۔ ”کس نے یہ حرکت کی۔“

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ چند لمحے بیہوش لڑکی کی طرف دیکھتا رہا پھر حمید کو آواز دی۔ حمید

کے ساتھ ہی لیوکاس بھی اندر چلا آیا۔ فوزیہ کو مسہری پر دیکھ کر لیوکاس پہلے تو جھجکا لیکن پھر اس

نے بھی خیر اور افسوس کے ملے جلے خیالات کا اظہار شروع کر دیا۔

”کسی قریبی ڈاکٹر کو فون کر دو۔“ فریدی نے حمید سے کہا۔ جو توجہ اور دلچسپی سے بیہوش

لڑکی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ لڑکی..... جس کے خدو خال میں بہت کم نوسانیت تھی۔ اعضاء مضبوط

اور ہڈیاں چوڑی تھیں۔ حمید ان کی عقلوں پر ماتم کرنے لگا جو اُسے بے بی کہتے تھے۔

اس نے نیچے جا کر کاؤنٹر سے ڈاکٹر کے لئے فون کیا اور پھر واپس آ گیا۔ فریدی ایک

کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا تھا اور وہ سب وہیں کھڑے تھے۔

”آپ کا بہت بہت شکریہ۔“ ڈیگال فریدی سے اس انداز میں کہہ رہا تھا جیسے اب وہاں

فریدی یا اس کے ساتھی کی موجودگی کی ضرورت نہیں۔

”مجھے لڑکی سے کچھ سوالات کرنے ہیں۔“ فریدی بولا۔

”کیا ابھی..... اسی وقت.....“ ڈیگال کے لہجے میں حیرت تھی۔ لیکن کہنے کے انداز میں

چھپی ہوئی بناوٹ کا اظہار بخوبی ہو گیا تھا۔ حمید نے شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ فریدی کی

طرف دیکھا۔

”میں ہوش میں آنے کا انتظار کر لوں گا۔ آپ مطمئن رہئے۔“ فریدی نے کہا۔

”لیکن..... پھر بھی یہ ظلم ہوگا۔ ایسے حالات میں..... آپ اُسے اس کے باپ کے قتل کی

خبر سنائیں گے۔“

”یہ آپ نے کیسے سمجھ لیا کہ میں اس کے باپ کے قتل کی خبر سنانے آیا ہوں۔“

”پھر.....؟“

”کچھ نہیں.....!“ فریدی نے لا پرواہی سے کہا اور لڑکی کے چہرے پر نظریں جمادیں۔

لیوکاس اور ڈیگال کی نظریں ملیں۔ لیوکاس پہلے باہر گیا پھر ڈیگال نے بھی اس کی تقلید

کی۔ حمید استغہامیہ انداز میں فریدی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ سب خاموش تھے کچھ دیر بعد کسی کے

قدموں کی آہٹ سے سکوت ٹوٹا۔ لیوکاس اور ڈیگال واپس آ گئے تھے اور ان کے ساتھ ڈاکٹر

بھی تھا۔

معائنے کے دوران میں لیوکاس اور ڈیگال گھور گھور کر فریدی کو دیکھتے رہے۔ ڈاکٹر نے

آلات سمیت کریک میں رکھے اور بیک کا تمہ چڑھاتا ہوا بولا۔ ”کوئی نشہ آور چیز..... یا تو

پلائی گئی ہے..... یا انجکٹ کی گئی ہے۔ میں ایک انجکشن دے کر بیس منٹ تک انتظار کروں گا۔

اگر ہوش نہ آیا تو پھر یہ خود ہی سے بیدار ہوں گی۔“

کوئی کچھ نہ بولا اور کمرے پر پھر سکوت مسلط ہو گیا۔

گمشدگی کا راز

فوزیہ ہوش میں آچکی تھی۔ اب کمرے میں اس کے علاوہ صرف تین آدمی تھے۔ فریدی، حمید اور ڈیگال۔ لیکن اب ڈیگال مضطرب نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس کے ہونٹ بچھے ہوئے تھے اور شاید اس نے اپنے دانت بھی پوری قوت سے بچھنچھن رکھے تھے کیونکہ جڑوں کے مسلسل ابھرے ہوئے نظر آ رہے تھے اور آنکھیں اس طرح فوزیہ کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں جیسے وہ تنویری طریقے پر اپنی قوت ارادی کے ذریعے اس کے ذہن پر کوئی خاص اثر ڈالنے کی کوشش کر رہا ہو۔

”آپ غسل خانے میں بیہوش پائی گئی تھیں۔“ فریدی نے فوزیہ سے کہا۔

”کیا!؟“ وہ اس طرح چونک پڑی جیسے خواب دیکھ رہی ہو۔ اس کی حیرت سے پہلی ہوئی آنکھیں ایک لمحے کے لئے فریدی کے چہرے کی طرف اٹھیں اور پھر جھک گئیں۔

”کیا آپ اس معاملے پر روشنی ڈالنے کی تکلیف کریں گی۔“ فریدی نے پھر کہا۔

”میں نے اسے دیکھا نہیں کسی نے پیچھے سے میرے سر پر کپڑا ڈال کر گلا گھونٹ دیا تھا۔“ وہ اپنی گردن پر ہاتھ بھیرنے لگی۔

دفعۃً ڈیگال نے ایک طویل سانس لی اور اس کے جڑے ڈھیلے پڑ گئے۔ حمید نے تنکھیں صوف سے اس کی طرف دیکھا اور پھر فوزیہ کی طرف متوجہ ہو گیا۔

”آپ کے والد کہاں ہیں۔“ فریدی نے پوچھا۔

”جی!؟“ وہ پھر چونک پڑی۔ ”مجھے نہیں معلوم۔“

”کل رات..... دو بجے آپ لوگ کہاں گئے تھے۔“

”میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ یونہی تفریبا!؟“ ڈیگال بولا۔

”آپ باہر جائیے۔“ فریدی نے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

”آپ کے کسی سوال کا جواب نہیں دیا جائے گا۔“ ڈیگال بگڑ کر کھڑا ہو گیا۔ ”آپ صرف

ہمارے ملک کے ہائی کمیشن آفس کی وساطت سے ہم تک پہنچ سکتے ہیں..... ورنہ نہیں۔“

”یہ کس نے کہہ دیا تم سے۔“ فریدی کی مسکراہٹ پر سکون تھی۔ ”باہر سے آنے والوں کا

میزبان محکمہ سراغ رسانی ہی ہوتا ہے..... ورنہ..... نور جہاں!؟“

”کیا مطلب!؟“ ڈیگال ایک قدم پیچھے ہٹ کر بولا اور فوزیہ مسہری سے اچھل کر فرش

پر کھڑی ہوئی۔

”مطلب..... یہ کہ..... عدنان کے..... ساتھ ہی..... ایک مقامی آدمی کا..... بھی خون..... ہوا

ہے۔“ فریدی ایک ایک لفظ پر زور دیتا ہوا بولا۔

”کیا!؟“ فوزیہ حلق پھاڑ کر چیخی۔

”مسٹر عدنان کا قتل..... کیا تمہیں اب اطلاع ہوئی ہے۔“

فوزیہ سر پکڑ کر فرش پر بیٹھ گئی۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور اس طرح جھکولے لے رہی تھی

جیسے اب گری اور تب گری۔

ڈیگال نے جھپٹ کر اسے اٹھایا اور مسہری پر ڈال دیا۔ وہ پھر بیہوش ہو گئی تھی۔

”تم لوگ درندے ہو۔“ ڈیگال فریدی کی طرف دیکھ کر دانت پیتا ہوا بولا۔

”لیکن تمہاری طرح سرکس کے درندے نہیں۔“ فریدی نے سر ہلا کر سنجیدگی سے کہا۔

کچھ دیر سکوت رہا پھر فریدی بولا۔ ”آخر اس ٹانگ کی کیا ضرورت تھی مسٹر ڈیگال!؟“

”کیسا ٹانگ!؟“ ڈیگال جھنجھلا کر بولا۔ ”تم مجھے خواہ مخواہ غصہ دلا رہے ہو۔“

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا..... اور حمید..... اُس نے تو شاید اس

دوران کی گفتگو بھی نہیں سنی تھی..... اُس کا ذہن ”نور جہاں“ میں الجھ کر رہ گیا تھا۔ آخر فریدی نے

یہ بے تکام کیوں لیا؟ اور اس نام کا جو رد عمل ڈیگال اور فوزیہ پر ہوا تھا وہ بھی حمید کے ذہن میں

محفوظ تھا۔

دفتر فریدی نے اسے مخاطب کیا۔ ”حمید! ذرا لیوکاس کو یہاں لاؤ۔“
حمید باہر چلا گیا۔ فریدی نے یہ بات اردو میں کہی تھی۔ لیکن اس نے لیوکاس کے نام پر
ڈیگال کو چوکے دیکھا۔ ڈیگال کے چہرے پر زردی پھیل گئی اور وہ اپنے ہونٹوں پر زبان
پھیرنے لگا۔

لیوکاس کے آنے میں دیر نہیں لگی۔ لیکن وہ بہت زیادہ جھنجھلایا ہوا نظر آ رہا تھا۔ فریدی چند
لمحے اُس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا پھر بولا۔ ”مسٹر لیوکاس! یہ کیا حرکت تھی۔“
”کیا مطلب!۔۔۔!“

”تم نے لڑکی کو بیہوش کیا تھا۔“

”مسٹر سرانخ رساں تم بہک رہے ہو۔“ ڈیگال بولا۔

”نہیں مسٹر ڈیگال میں سچ کہہ رہا ہوں۔ غسل خانے میں مجھے مسٹر لیوکاس کی ڈائری ملی ہے۔“
”اوہو! یہ کیا بات ہے۔“ لیوکاس جلدی سے بولا۔ ”دونوں کروں کا غسل خانہ مشترکہ
ہے۔ اس کا ایک دروازہ میرے کمرے میں ہے۔ ممکن ہے کسی وقت مجھ سے گر گئی ہو۔ مجھے اس
کی تلاش تھی کہاں ہے۔“

”میرے پاس!“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”لیکن بہت ہی محترم! لیوکاس! کیا میں پوچھ
سکتا ہوں کہ تمہاری قمیض کی پلٹ پر پڑا ہوا سرخ دھبہ کیسا ہے؟“

لیوکاس کا سر بے اختیار سینے کی طرف جھک گیا۔۔۔ اور پھر وہ ہکلانے لگا۔

”بیکار ہے! تم نے ہی اسے بیہوش کر کے ہاتھ روم میں ڈالا تھا۔“

”ظہر و لیوکاس!۔۔۔!“ دفعتاً ڈیگال ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”اب کچھ چھپانا فضول ہے۔“

فریدی نے جیب سے سگار کیس نکال کر ڈیگال کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”میں نے
پولیس انسپکٹر سے پہلے ہی کہا تھا کہ کوئی مجھ جیسے شریف آدمی کو دھوکا دینا پسند نہیں کرتا۔۔۔ سگار!“
ڈیگال نے کا پتی ہوئی انگلیوں سے ایک سگار نکال لیا۔

”لیوکاس تھوڑا بیوقوف ضرور ہے۔“ اس نے کھانسنے کہا۔ ”لیکن بدخواہ نہیں۔ وہ نہیں

چاہتا تھا کہ بے بی کو اچانک یہ منحوس خبر سنائی جائے۔ اس نے مجھے پولیس والوں سے گفتگو
کرتے دیکھا اور جلدی میں اُسے یہی تدبیر سوچھ گئی۔“

”لیکن مجھے تو اطلاع ملی ہے کہ آپ اپنے کسی ساتھی کو اس خبر سے مطلع کئے بغیر ہی
پولیس اسٹیشن چلے گئے تھے۔“ فریدی نے کہا۔

”میں اور لیوکاس پہلے ہی سے جانتے تھے۔“

”ہوں۔۔۔ کس طرح۔“

”میں نے وہ لاشیں کل رات ہی دیکھ لی تھیں۔ پولیس آفیسر کو میں نے غلط بیان دیا تھا۔
بے بی۔۔۔ مسٹر عدنان کے لئے بہت پریشان تھی۔ لہذا ہم دو بجے ان کی تلاش میں اس عمارت
تک گئے۔ میں بقیہ لوگوں کو باہر چھوڑ کر اندر چلا گیا۔ وہاں میں نے دونوں لاشیں دیکھیں اور
چپ چاپ واپس آ گئے۔“

”مگر پولیس سے غلط بیانی کیوں کی گئی۔“

”محض۔۔۔ اس بچی کی خاطر۔۔۔ میں نہیں چاہتا تھا!۔۔۔!“

”یہ جملہ ہم کئی بار سن چکے ہیں۔“ فریدی نے تلخ لہجے میں کہا۔ ”میں صحیح واقعہ سننا چاہتا ہوں۔“
”یہ قطعی صحیح واقعہ ہے۔“

”عدنان نے وہ عمارت کرائے پر کیوں حاصل کی تھی۔“

”ہمیں یہ ضرور معلوم تھا کہ انہوں نے ایک عمارت حاصل کی تھی لیکن انہوں نے اس کی
غرض و غایت کسی کو نہیں بتائی۔“

”ہوں۔۔۔ تو پھر یہ لڑکی پریشان کیوں تھی۔“

”ظاہر ہے کہ مسٹر عدنان نے یہ نہیں بتایا تھا کہ انہوں نے وہ عمارت کیوں حاصل کی ہے
اور یہ سب کو معلوم تھا کہ وہ گزشتہ رات وہیں بسر کرنے والے تھے۔ کیا آپ نہیں جانتے کہ
بچوں میں والدین کے لئے اور والدین میں بچوں کے لئے ایک چھٹی حس ہوتی ہے۔“

”نہ میں والدین ہوں اور نہ مجھے اپنا بچپن ہی یاد ہے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”لیکن میں

دوبارہ مس فوزیہ کے ہوش میں آنے کا انتظام کروں گا۔“

”آپ ہرگز ایسا نہیں کر سکتے۔“ ڈیگال پھر اکھڑ گیا۔ ”بے بی کو آرام کی ضرورت ہے۔“
 ”سب کو آرام کی ضرورت ہوتی ہے۔“ فریدی نے لاپرواہی سے کہا اور سگار سلگانے کہا۔
 ”آخراً آپ چاہتے کیا ہیں۔“

”جکی بات!۔“

”اس سے زیادہ ہم میں سے کوئی بھی کچھ نہیں جانتا۔“

”کچھ دیر پہلے تم یہ بھی نہیں جانتے تھے جو ابھی بتا چکے ہو۔“

”میرے خیال سے اسے ہسپتال پہنچا دیا جائے۔“ حمید نے فوزیہ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔
 ”ہرگز نہیں۔۔۔۔۔ کبھی نہیں۔“ ڈیگال تن کر کھڑا ہو گیا۔

”بیٹھ جاؤ!۔“ فریدی نے حکمانہ لہجے میں کہا۔ ”تم مجھے نہیں جانتے۔“

”مجھے تشدد پر آمادہ نہ کرو۔“ ڈیگال غریبا۔

”چلو بیٹھ جاؤ سیدھی طرح۔۔۔۔۔ ورنہ۔۔۔۔۔“ فریدی اور کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ اُس کی نظریں

لیوکاس پر تھیں جس نے ریوالور نکال لیا تھا۔

”بہت اچھے۔“ فریدی آہستہ سے بولا۔

”کمرے سے نکل جاؤ۔“ لیوکاس نے کہا اور ہونٹ بھیجنے لے۔

”بہتر ہے۔“ فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ ”آؤ حمید۔“

وہ دروازے تک آئے۔ لیوکاس ان کے پیچھے تھا۔ فریدی نے دروازہ کھولنے کے لئے

ہینڈل کی طرف ہاتھ بڑھایا لیکن پھر دوسرے ہی لمحہ وہ بڑی تیزی سے پلٹا۔ اس کا بایاں ہاتھ

ریوالور پر پڑا اور داہنا ہاتھ لیوکاس کے جبرے پر۔۔۔۔۔ لیوکاس اچھل کر کئی فٹ دور جا پڑا۔

ریوالور فریدی کے ہاتھ میں تھا۔

”لیوکاس۔۔۔۔۔ یہ کیا بیہودگی ہے۔“ ڈیگال چیخا۔

لیوکاس کھڑا ہو کر اپنا جبر اسہلار ہاتھ پھر خون کی ایک دھار اس کے ہونٹوں سے نکل کر

ٹھوڑی پر پھیل گئی۔

”آفسر۔۔۔۔۔ مجھے افسوس ہے۔“ ڈیگال معذرت آمیز لہجے میں بولا۔ پھر لیوکاس پر برس پڑا۔

”میں لیوکاس کو آتش گیر اسلحہ رکھنے کے جرم میں گرفتار کرتا ہوں۔“ فریدی نے کہا۔ ”تم

یہاں بغیر اجازت ریوالور نہیں رکھ سکتے۔“

”آفسر! میں معافی چاہتا ہوں۔“ ڈیگال گڑگڑایا۔ ”ہم بڑی زحمت میں پڑ جائیں گے۔“

”اس کی صرف ایک ہی صورت ہے حقیقت کہہ دو۔“

ڈیگال کچھ نہ بولا۔ اس کے چہرے پر الجھن کے آثار نظر آرہے تھے اور وہ بار بار
 لیوکاس کو قہر آلود نظروں سے گھورنے لگتا تھا۔

”ایک ذرا سی بات نے اتنا طول کھینچا۔“ وہ ٹھوڑی دیر بعد بڑبڑایا۔ ”بہت معمولی سی

بات تھی۔۔۔۔۔ لیکن مشرعدنان نے میرا کہنا نہ مانا۔ خود جان سے ہاتھ دھوئے اور ہمیں مصیبت

میں پھنسا دیا۔“

فریدی کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔ لیوکاس رومال سے اپنے چہرے کا خون صاف کر رہا تھا۔

ڈیگال خاموش ہو گیا۔ اس کے چہرے سے ذہنی کشمکش عیاں تھی۔ فریدی اُسے جواب

طلب نظروں سے دیکھنے لگا۔

”انہیں جو کچھ بھی کرنا تھا۔۔۔۔۔ اس کے لئے ہم ہی کافی تھے۔“ ڈیگال کچھ دیر بعد

بولا۔ ”انہوں نے مقامی آدمیوں کی مدد حاصل کر کے غلطی کی۔“

”لیکن عدنان کیا کرنا چاہتا تھا۔“ فریدی نے پوچھا۔

”کیا آپ کو اپنے شہر میں کسی ایسے اندھے آدمی کے وجود کا علم ہے جو سینکڑوں آنکھ

والوں پر بھاری ہو۔“

حمید نے ڈیگال کے اس جملے پر قہقہہ لگایا لیکن فریدی میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔

”کہتے جاؤ۔۔۔۔۔ میں سن رہا ہوں۔“ اُس نے آہستہ سے کہا۔

”لوزانا۔۔۔۔۔ چند ماہ پیشتر کیپ ٹاؤن میں تھا۔“

خاں قلی سے ہوئی تھی۔“

”تم خاموش رہو..... یا یہاں سے چلے جاؤ۔“ فریدی اس پر الٹ پڑا۔

”اب میں کہاں جاسکتا ہوں..... قصہ نور جہاں کا ہے۔“

”آپ نے ایک بار پہلے بھی یہ نام لیا تھا لیکن میں اس کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔“ ڈیگال بولا۔

”شاید لڑکی جانتی ہو۔“ فریدی نے کہا۔

”پتہ نہیں.....!“ ڈیگال بیزاری سے بولا اور بیہوش لڑکی کی طرف دیکھنے لگا۔

”اندھا کہاں رہتا ہے؟“

”معلوم نہیں..... مسٹر عدنان نے اُسے یہاں کے کسی فنٹ پاتھ پر بھیک مانگتے دیکھا

تھا۔“ حمید نے پھر قبضہ لگایا اور فریدی کا شانہ جھجھوڑ کر بولا۔ ”سنئے اگر وقت ہی برباد کرنا ہے تو

چلے کرکٹ کھیلیں۔ بڑی سہانی رات ہے۔“

”تم نہیں جانتے..... خاموش رہو۔“

”مائی ڈیز مسٹر ہارڈ اسٹون! مجھے اس سے بھی زیادہ دلچسپ کہانیاں یاد ہیں۔ رانی سرنگ

کی کہانی۔ سوتے جاگتے کا قصہ۔ بہر بادشاہزادی کی داستان۔ موڈرن کہانیوں میں علی بابا اور

چل ٹم ٹم کا قصہ۔“

فریدی اسکی بکواس پر دھیان نہ دے کر ڈیگال سے بولا۔ ”کیا اندھے کا کوئی گروہ بھی ہے۔“

”آپ گروہ کہتے ہیں۔“ ڈیگال نے کہا۔ ”وہ جہاں بھی رہتا ہے شاہانہ شان سے۔“

”اور فنٹ پاتھ پر بھیک بھی مانگتا ہے۔“ حمید اردو میں بڑبڑایا۔ ”فریدی صاحب اس

سے تو یہی بہتر تھا کہ آپ چاندو سے شوق فرمالیتے۔“

ڈیگال خاموش ہو کر حمید کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر اس کی نظر فریدی کی طرف اٹھی۔

”میرے دوست کو کسی ایسے اندھے آدمی کے وجود پر یقین نہیں۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”انہیں یقین آ جائے گا۔“ ڈیگال نے سنجیدگی سے کہا۔ ”کیا آپ نے اب سے تین

سال قبل اخبارات میں ایک حیرت انگیز خبر نہیں پڑھی تھی کہ لندن میں ایک اندھے نے چیرنگ

”لوزانا کون؟“

”لوزانا..... وہ اندھا جنوبی افریقہ میں اسی نام سے پکارا جاتا ہے۔ وہ حقیقتاً کہاں کا

باشندہ ہے یہ کسی کو نہیں معلوم۔ لیکن افریقہ کے ڈاے گا قبیلے کا ایک دیوتا لوزانا کہلاتا ہے جس

کے معنی ہیں اندھیرے کا مالک۔“

حمید عجیب نظروں سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر اُسے فریدی کی سنجیدگی پر ہنسی

آگئی۔ فریدی نے اُسے گھور کر دیکھا اور حمید کہنے لگا۔ ”میں اُس اندھے کو جانتا ہوں اس کا نام

لوزانا نہیں بلکہ ڈھمپ کٹل چرخ پاں پوں ہے۔ کس حماقت میں پھنسے ہیں آپ..... یہ سالے

فورٹوٹی ہیں۔“

پھر ڈیگال کی طرف دیکھ کر اردو میں بولا۔ ”تم لوگوں نے مجھے نفرت ہوگئی ہے۔ آئے ہو

اتنی دور سے اور اپنے ہمراہ ایک بیچروں کی شکل کی لڑکی لائے ہو جس سے میں ذرہ برابر بھی

دلچسپی نہیں لے سکتا۔“

”کیا کہہ رہے ہیں۔“ ڈیگال نے فریدی سے پوچھا۔

”کچھ نہیں تم اپنا بیان جاری رکھو۔“

”اُس نے مسٹر عدنان کو دھوکہ دے کر ایک بہت بڑی رقم وصول کی..... اور یہاں چلا آیا۔“

ہم اُس کے تعاقب میں یہاں آئے تھے۔“

”لیکن..... مسٹر عدنان نے خود ہی زحمت کرنے کی ضرورت محسوس کیوں کی۔ وہ اپنے ہائی

کمیشن کے ذریعہ سرکاری طور پر اس کے خلاف چارہ جوئی کر سکتے تھے۔“

”یہی مشورہ میں نے بھی دیا تھا۔“ ڈیگال جلدی سے بولا۔

”لیکن مسٹر عدنان نہیں مانے..... آخر کیوں!“

”میں کیا بتا سکتا ہوں.....!“

”لڑکی ضرور بتا سکے گی۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ”میں نور جہاں کا قصہ سننا چاہتا ہوں۔“

”وہ شہنشاہ جہانگیر کی بیوی تھی۔“ حمید بولا۔ ”اس کی پہلی شادی علی قلی خاں..... یا علی

کر اس سے پکا ڈلی تک کارڈ رائیو کر کے پورے شہر میں سنسنی پھیلا دی۔“

”اوہ.....!“ فریدی چونک کر بولا۔ ”تو یہ وہی اندھا ہے۔“

”جی ہاں..... وہی۔“

”تب تو.... نور جہاں.....!“ فریدی کچھ سوچنے لگا۔

”کیا؟“ ڈیگال کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ لیکن وہ اچانک خاموش ہو گیا۔ فریدی کی

عقابی آنکھیں ایک لمحے کے لئے اس کے چہرے پر پڑیں پھر وہ مسکراتا ہوا کھڑا ہو گیا۔

”اچھا مسٹر ڈیگال..... ہم دیکھیں گے۔“ اس نے کہا۔ ”لیکن تم لوگ پولیس کو اطلاع

دیئے بغیر ہوٹل کے باہر قدم نہیں نکالو گے۔“

بکرے سے اندھے تک

دوسری صبح حمید فریدی سے الجھ پڑا۔ اُسے سب سے زیادہ تاؤ خود اپنی حماقت پر آرہا تھا

کہ اُس نے پچھلی رات کا زیادہ تر حصہ لغویات میں گزار دیا۔ وہ محض اس توقع پر ہوٹل ڈی

فرانس میں سرمارتا رہا تھا کہ فوئیر کو دیکھ کر آنکھوں میں نور اور دل میں سرور پیدا ہو سکے گا۔ مگر

وہ ایک بالکل ہی معمولی شکل و صورت کی لڑکی ثابت ہوئی۔ حمید کا خیال تھا کہ وہ لڑکی بھی اپنے

باپ کی سازش میں شریک ہے۔ اندھے والی کہانی پر اُسے یقین نہیں آیا تھا۔ اس کے خیال

کے مطابق عدنان کا خاتمہ کرنے کے لئے چار مقامی بد معاشوں کو کرائے پر حاصل کیا گیا تھا۔

اُن میں سے ایک عدنان کے ہاتھوں مارا گیا اور بقیہ تین آدمیوں نے اُس کے بعد عدنان کا

خاتمہ کر دیا۔ اور مقصد..... مقصد فی الحال تاریکی میں تھا۔

”میں کہتا ہوں۔“ وہ فریدی سے کہہ رہا تھا۔ ”آخر اس اندھے نے اُن تینوں کو بخش

کیوں دیا۔ اگر اس کی جگہ میں ہوتا تو انہیں کبھی اس دن کے لئے زندہ نہ چھوڑتا کہ وہ پولیس کو

بیان دے سکیں۔“

”تمہیں اندھے کے وجود میں شبہ ہے۔“

”بٹل سرے سے بٹل.....!“

”لیکن میں ایسا نہیں سمجھتا..... وہ کارڈ رائیو کرنے والا واقعہ۔ کیا تمہیں یاد نہیں۔ ایک

زمانے میں اس کی بڑی شہرت تھی۔“

”رہی ہوگی..... لیکن اس معاملے میں اس کا کیا تعلق۔ آخر آپ کس بناء پر اُسے اس سے

متعلق سمجھتے ہوں گے۔“

”نور جہاں..... اگر یہ نام نہ لیا گیا ہوتا تو میں بھی اسے کوئی اہمیت نہ دیتا۔“

”اوہ..... تو حقیقتاً کوئی لڑکی اور بھی ہے۔ یقیناً وہ بہت زوردار ہوگی..... ورنہ عدنان مرتا کیوں۔“

”لڑکی.....!“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”اچھا ہے تم اسے لڑکی ہی سمجھتے رہو۔“

”ہائیں تو کیا بڑھیا ہے۔“

”ختم کرو یہ قصہ.....!“ فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”میرے پاس تمہاری ایک شکایت آئی ہے۔“

”وہ تو آیا ہی کرتی ہیں۔“

”آخر تمہارا بیچنا کب رخصت ہوگا..... خود مذاق پہنتے ہو اور مجھے بھی بدنامی نصیب ہوتی ہے۔“

”بات کیا ہے۔“

”ہائی سرکل نائٹ کلب میں بکرا کیوں لے گئے تھے۔“

حمید یک بیک سنجیدہ ہو گیا۔ اتنا سنجیدہ جیسے فریدی نے اُس کے مذہبی جذبات کو ٹھیس

لگائی ہو۔

”کیوں نہ لے جاتا۔“ حمید گڑگڑا کر بولا۔ ”وہاں بعض عورتیں کتے کیوں لاتی ہیں۔“

”مضحکہ خیز بننے کی کوشش نہ کیا کرو۔ میں نے سنا ہے کہ تم اور انور نائٹ کلب کے منیجر کو

بہت پریشان کرتے ہو۔“

”لیکن وہ کبخت اس کے باوجود بھی اشعار ستانے سے باز نہیں آتا۔“

”اس قسم کی حرکتوں سے فائدہ کیا ہوتا ہے۔“

”میں کہتا ہوں کتوں کو ساتھ لئے پھرنے سے کیا فائدہ ہوتا ہے اور خصوصاً یہ عورتیں.... بچوں کو تو گھر پر چھوڑ دیتی ہیں اور کتوں کو گود میں لئے پھرتی ہیں۔ ان کی نفسیات آج تک میری سمجھ میں نہ آ سکی۔“

”بچے کتوں سے زیادہ شور مچاتے ہیں۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”نہیں بتائیے! آپ تو ماہر نفسیات بھی ہیں۔“

”دوسروں کو مستقل طور پر غلام بنائے رکھنے کی لاشعوری خواہش۔ آدمی سے اس کی توقع فضول ہے لہذا توجہ جانوروں کی طرف مبذول ہوتی ہے اور جانوروں میں کتے سے زیادہ سعادت مند جانور اور کوئی نہیں ہوتا.... ہر وقت دم ہلاتا رہتا ہے۔ عورتوں میں غلام بنانے کی خواہش مردوں سے زیادہ ہوتی ہے۔“

”کیا میں آپ کو بھی عورت سمجھوں۔“

”کیوں؟“

”آپ نے درجنوں کتے پال رکھے ہیں اور میں نے ایک بکرا پال لیا تو اُس پر اتنا غصہ۔“



ہائی سرکل ٹائٹ کلب کا منیجر برآمدے میں کھڑا تھا۔ یہ چھوٹے قد، دبلے جسم اور ستے ہوئے چہرے کا ایک ادھیڑ عمر کا آدمی تھا۔ اس نے جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکالا اور اسے سلگانے ہی جارہا تھا کہ کمپاؤنڈ میں ایک کار داخل ہوئی جس کی کھڑکی سے ایک بکرا سر نکالے بڑے دلاویز انداز میں جگلی کر رہا تھا۔ منیجر نے سگریٹ جیب میں ڈال لیا اور دانت پیس کر خلاء میں مکا مارنے کے سے انداز میں ہاتھ کو جنبش دی۔

کار سے حمید اتر اور پھر اس نے بکرے کو بھی کھینچ کھانچ کر باہر نکال لیا۔

”منیجر حمید! خدا کے لئے۔“ منیجر ہاتھ پھیلا کر گھگھایا تا ہوا آگے بڑھا۔

”میری جیب میں کھلے ہوئے پیسے نہیں ہیں۔“ حمید لا پرواہی سے بولا۔ وہ اُس جفاکاری

بکرے کا پیٹ پکڑے اسے ہندی کی باڑھ پر منہ مارنے سے روک رہا تھا۔

”آپ میرا بیڑا غرق کر دیں گے۔“

”آپ نے فریدی صاحب سے شکایت کیوں کی؟“

”شکایت.... نہیں تو.... وہ میں نے کہا تھا کہ ایسی جگہوں پر لانے سے بکرے کے اخلاق

پر برا اثر پڑ سکتا ہے۔“

بکو اس ہے.... میرا بکرا نہایت سلیم الطبع اور برخوردار قسم کا ہے۔ وہ بُروں سے اچھائیاں

سیکھتا ہے۔ ایسا بکرا شیخ سعدی کو بھی نہ نصیب ہوا ہوگا۔ اچھا کوئی عمدہ شاعر سنائیے۔“

”دیکھیے.... میں بہت پریشان ہوں۔ آپ بکرے کو اندر نہیں لے جاسکتے۔ کچھلی بار سے

کئی معزز آدمیوں نے یہاں آنا چھوڑ دیا ہے۔“

”پھر کتے کیوں آتے ہیں۔ اگر کتے آئیں گے تو بکرا بھی جائے گا۔“

”بکرے کو دیکھ کر کتے بھونکنے لگتے ہیں۔“ منیجر نے کہا۔ ”میرے حال پر رحم کیجئے اور

آپ ایسی حرکتیں کرتے ہوئے اچھے نہیں معلوم ہوتے۔ آپ بھی کافی معزز آدمی ہیں۔“

”جی نہیں میں چمار ہوں.... بکرا مجھ سے جدا نہیں ہو سکتا۔“

”آپ نہیں لے جاسکتے۔“ منیجر بے بسی سے چیخا۔

”اچھی بات ہے۔ اب دیکھوں گا تمہاری شراب کی ناجائز تجارت۔“

”منیجر حمید!....“ منیجر کا لہجہ نرم ہو گیا۔

”تو پھر میں اس بکرے کو کہاں چھوڑوں۔“

”میں انتظام کر دوں گا۔“

”نہیں آپ اسے اپنی آنکھوں کے سامنے رکھنے کا وعدہ کریں تو.... میرا مطلب ہے کہ

اپنے آفس میں۔“

”مجھے منظور ہے۔“ منیجر نے اطمینان کا سانس لیا۔

منیجر نے اپنے دفتر کا کمرہ کھولا اور حمید نے بکرے کو دھکیل کر اندر کر دیا۔

”اُسے تنہائی نہ محسوس ہونے پائے۔۔۔ سمجھے۔۔۔ ہاں۔۔۔“ حمید نے کہا اور ہال میں چلا گیا۔ منیجر برآمدے ہی میں کھڑا طرح طرح کے منہ بناتا رہا۔ وہ فطرتاً کچھ اس قسم کے بوڑھوں میں سے تھا جنہیں بچے بھی چٹکیوں میں اڑا دیتے ہیں۔ حمید اُسے خاص طور سے چھڑتا رہتا تھا اور حقیقت تو یہ تھی کہ منیجر اس کے خلاف کوئی قدم بھی نہیں اٹھا سکتا تھا۔ کیونکہ حمید اس کی تجارت کے بعض ناجائز پہلوؤں سے اچھی طرح واقف تھا۔ دفعتاً اسے پھر ہال کے ایک قریبی دروازے میں حمید کی شکل دکھائی دی جو اُسے گھور رہا تھا۔

”ہائیں۔۔۔ آپ نے اُسے تنہا چھوڑ دیا ہے۔“ حمید نے غصیلی آواز میں کہا اور منیجر جلدی سے اپنے دفتر چلا گیا۔ یہاں بکرا بڑی سعادت مندی سے جگالی کرتا ہوا اس کی میز کا جائزہ لے رہا تھا۔ منیجر کے داخل ہوتے ہی وہ اسے نیم باز آنکھوں سے دیکھ کر اس طرح میایا جیسے دیر سے غیر حاضری کی وجہ پوچھ رہا ہو۔

”ارے تجھے خدا غارت کرے۔۔۔ ہٹ میز کے پاس سے۔“ منیجر اسے میز کے قریب سے دھکیلتا ہوا بڑبڑایا۔ لیکن بکرا سر جٹ حمید کا تھا۔ اس نے اس کی پرواہ کئے بغیر اپنی جگالی جاری رکھی۔

دفعتاً اس کی نظر اس الماری پر پڑی جس میں ایک بڑا سا آئینہ لگا ہوا تھا۔ آئینے میں اپنا عکس دیکھ کر اس نے گردن اکڑائی۔ دو قدم پیچھے ہٹا پھر کچھلی ٹانگوں پر کھڑا ہو کر آئینے پر ٹکڑ مارنے ہی جا رہا تھا کہ منیجر چیخا ہوا درمیان میں آ گیا۔ اس طرح وہ ٹکڑ تو نہ مار سکا لیکن اس کی اگلی ٹانگوں کے ساتھ ہی ساتھ منیجر بھی زمین پر آ رہا۔ بکرا دوسری ٹکڑی تیار کرنے لگا تھا۔ منیجر بے اختیار اٹھ کر اس سے لپٹ پڑا۔ اس دھینگامشتی میں ایک کرسی الٹ گئی۔ بکرے کو بھی شاید تاؤ آ گیا تھا۔ وہ بار بار آئینے ہی کا رخ کرتا تھا۔ منیجر بڑی طرح ہانپ رہا تھا اور اس کے منہ سے گھٹی گھٹی آوازیں اور گالیاں نکل رہی تھیں۔ ایک بار بکرے نے۔۔۔ میز سے سیگیں اڑائیں اور زور کرنے لگا۔ منیجر نے لاکھ چاہا کہ اسے ہٹا دے مگر کامیاب نہ ہوا۔ آخر کار میز بھی الٹ

گئی۔ منیجر حلق پھاڑ پھاڑ کر چیخنے لگا۔ بدحواسی میں وہ میز کی طرف جھک پڑا تھا۔ اتنے میں بکرے کو موقع مل گیا اور اس نے آئینے پر ایک ٹکڑی رسید کر دی۔ کئی ٹکڑے کھٹکھٹاتے ہوئے فرش پر آ گرے۔

”اے او۔۔۔۔۔ حرامی کے پلے۔“ منیجر اپنا سر پیٹ کر چیخا۔

”نوکر کمرے میں گھس آئے۔ بکرانہ جانے کیا سمجھا۔ اس نے چیختے ہوئے منیجر کے سینے پر ایک ٹکڑ رسید کی اور پھر نوکر دوں کی طرف پلٹ پڑا۔ نوکر معاملے کی نوعیت بھی نہیں سمجھ پائے تھے کہ ان میں سے ایک کو بڑی زوردار ٹکڑ نصیب ہوئی۔ وہ پیچھے گرا اور بکرے نے اس کے اوپر سے جست لگائی۔ دوسرے لمحے میں وہ برآمدے میں تھا۔ شامت اعمال، کمپاؤنڈ میں کسی صاحب کے دو کتے خوش فعلیوں میں مشغول تھے۔ انہوں نے بکرے کو دیکھا تو بھونکتے ہوئے اس کی طرف لپکے۔ بکرا ہال میں گھس گیا۔ شام کا وقت تھا اس لئے ہال قریب قریب بھرا ہوا تھا۔ سر جٹ حمید اور اُس کے ایک شناسا میں شطرنج ٹھن گئی تھی۔ جیسے ہی بکرا ہال میں گھسا کئی طرح کی آوازیں گونجنے لگیں۔ اُس کے تعاقب میں کتے بھی گھس آئے تھے۔ حمید بدقت تمام اپنی ہنسی روک سکا۔ لیکن وہ بکرے کو پکڑنے کے لئے اٹھا نہیں۔

قریب ہی کی میز پر بیٹھے ہوئے ایک آدمی نے اپنے ساتھی سے پوچھا۔ ”کیا بات ہے۔“

”عجیب۔۔۔!“ اس کا ساتھی بولا۔ ”ایک بکرا گھس آیا ہے۔“

”بکرا۔۔۔!“ آدمی حیرت سے بولا۔ ”بکرے کا یہاں کیا کام۔۔۔!“

اور دفعتاً حمید بکرے کو بالکل ہی بھول گیا۔ وہ بڑی توجہ سے اس آدمی کو دیکھنے لگا تھا جس نے اپنے ساتھی سے غل غپاڑے کی وجہ دریافت کی تھی۔ یہ ایک طویل القامت اور قوی الجشہ آدمی تھا۔ آنکھوں پر گہرے نیلے رنگ کے شیشوں کی عینک تھی اور وہ ایک نہایت نفیس سوٹ میں ملبوس تھا۔

”کیا۔۔۔؟“ حمید کے ذہن میں ایک سوال گونجا۔ ”اُس نے بکرے کو نہیں دیکھا۔“

بکرا ٹھیک اس کی میز کے قریب سے گذرا تھا۔ حمید کے ذہن میں سیٹیاں سی بننے لگیں۔

کیا وہ اندھا تھا... اندھا...؟ لیکن بادی النظر میں وہ اندھا نہیں معلوم ہوتا تھا۔ حمید ذہنی پہچان میں مبتلا ہو گیا... کیا... ڈیگال کا بیان صحیح تھا۔ حمید نے فوراً ہی ایک دوسری بات بھی محسوس کی۔ وہ آدمی اپنے ساتھی کے ساتھ شطرنج بھی کھیل رہا تھا... وہ شطرنج تو کھیل رہا تھا۔ لیکن بکرا اُسے نہیں دکھائی دیا تھا۔ عجیب بات... پھر حمید کی تجسس نگاہوں میں ایک بات اور بھی آئی... ہال کے سارے لوگوں کی نظریں بکرے پر تھیں لیکن وہ نیلی عینک والا بدستور بساط پر جھکا ہوا تھا۔ اس نے ایک بار بھی بکرے کی طرف رخ نہیں کیا۔ حالانکہ اس کا ساتھی کھڑا ہو کر بکرے کی دھما چوڑی سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

تو وہ اندھا تھا... سو فیصدی اندھا... ورنہ اسے بھی فطرتاً بکرے میں دلچسپی لینی چاہئے تھی۔ انہونی باتیں ہر ایک کی توجہ اپنی طرف مبذول کرا لیتی ہیں... اور وہ بھی ایک انہونی تو تھی۔ نائٹ کلب میں بکرا۔

حمید نے نیجر کی طرف دھیان نہ دیا جو اُسے بُری طرح جھنجھوڑ رہا تھا۔

”کیا ہے بھی... چلو چھوڑو... بازی ختم کرو۔“ نیلی عینک والے نے اپنے ساتھی سے کہا۔

”بکرا کسی طرح قابو میں نہیں آتا۔“ اس کا ساتھی بولا۔

”جہنم میں گیا بکرا... بازی ختم کرو۔“

”کیا ہے بھئی!“ دفعتاً حمید نیجر کی طرف پلٹا۔

”میں برباد ہو گیا... لیکن خدا کی قسم تمہیں نقصان بھرنا پڑے گا۔“ نیجر ہانپتا ہوا بولا۔

”تم اُس سے غافل ہو گئے ہو گے۔“ حمید اٹھتا ہوا بولا۔ پھر وہ نیجر کو باہر برآمدے میں

کھینچ لے گیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ ہال میں اس سے کسی قسم کی تکرار ہو۔

”تم بیکار جھک مار رہے ہو۔“ حمید نے کہا۔ ”کیوں آمادہ ہو گئے تھے اُسے سنبھالنے پر۔“

اگر انکار کرتے تو میں واپس چلا گیا ہوتا۔“

”اب الٹی دھونس بجاؤ گے۔“ نیجر بھٹا کر بولا۔

”بات بڑھانے سے کوئی فائدہ نہیں۔ اپنے نوکروں سے کہو کہ اسے میری کار میں ٹھونس دیں۔“

”اور یہ نقصان کون بھرے گا۔“ نیجر آفس کا دروازہ کھولتا ہوا بولا۔

”تم ضرور اس سے بد اخلاقی سے پیش آئے ہو گے۔“ حمید نے غصیلی آواز میں کہا۔

اتنے میں نوکر بکرے کو برآمدے میں گھسیٹ لائے۔

حمید سوچ رہا تھا کہ کہیں معاملہ طوالت نہ اختیار کر جائے۔ اگر ایسا ہوا تو ممکن ہے کہ وہ

اندھے کو ہاتھ سے کھو بیٹھے۔ یہ بھی ایک اتفاق ہی تھا کہ اس طرح اس سے مذہبیڑ ہو گئی تھی۔

ورنہ وہ زندگی بھر اُس کے متعلق یہ اندازہ نہ لگا پاتا کہ وہ اندھا ہے۔

دفعتاً حمید کو یاد آیا کہ اس کی چیک بک جیب ہی میں موجود ہے۔

”سنو پیارے۔“ حمید نیجر کا شانہ پھٹکتا ہوا بولا۔ ”تمہارے نقصان کی تلافی ہو جائے گی۔“

تم تمی الحال اس سعادت اطوار بکرے کو کسی نوکر کے کوارٹر میں بندھوا دو۔“

”ہرگز نہیں... کبھی نہیں۔“ نیجر پیر پنچ کر بولا۔

حمید نے جیب سے چیک بک نکالی اور سادے چیک پر دستخط کر کے نیجر کی طرف بڑھاتا

ہوا بولا۔ ”اپنے نقصان کا تخمینہ لگا کر رقم لکھ لینا... چلو شاباش... ورنہ تمہیں پچھتنا پڑے گا۔“

نیجر چند لمحے اُسے گھورتا رہا پھر اس نے چیک لے کر اپنی جیب میں ٹھونس لیا۔

”میزالٹ دی“ وہ بڑبڑایا۔ ”آئینہ چور چور کر دیا اور وہ میرا جسم ریزہ ریزہ ہو گیا۔“

”یا ختم بھی کرو قصہ... میری شطرنج کی بازی برباد ہو رہی ہے۔“

نیجر نے ایک نوکر سے بکرے کو لے جانے کو کہا۔

حمید پھر ہال میں لوٹ آیا۔ حمید کا ساتھی بساط بچھائے بیٹھا اُس کا انتظار کر رہا تھا اور

دوسری میز پر نیلی عینک والا بھی اپنے ساتھی کے ساتھ بازی میں مشغول تھا۔ حمید پھر جم گیا۔

لیکن اس بار اس کا دل نہیں لگ رہا تھا۔ اس نے کئی بے سرو پا چالیں چلیں اور اس کے مہرے

دبڑا دہڑپٹنے لگے۔ اس کا ذہن اُس اندھے میں الجھا ہوا تھا۔ اب وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں اس کا

شبہ سرے سے غلط ہی نہ ہو۔ ضروری نہیں کہ یہ وہی اندھا ہو جس کی تلاش فریدی کو تھی۔ یہ

خیال آتے ہی اس کا دل ڈوبنے لگا۔ اگر ایسا ہی ہوا تو اسے وہ چیک قیامت تک یاد رہے گا۔

جو اس نے جھگڑا ختم کرنے کے لئے منیجر کو دیا تھا۔ اس کی نظریں ایک بار پھر اندھے کھلاڑی پر جم گئیں۔ وہ بڑی دانش مندی سے چالیں چل رہا تھا۔ کیا یہ ایک اندھے کے لئے حیرت انگیز بات نہیں تھی۔ اس نے آج تک کسی اندھے کو شطرنج کھیلنے نہیں دیکھا تھا۔ لیکن وہ اندھا جو کار ڈرائیو کر سکتا ہو وہ بھی لندن جیسے مشغول شہر میں اس کے لئے شطرنج کیا وقعت رکھتا ہے۔

اندھے کا ساتھی اسے اپنی چال کے متعلق بتاتا جاتا تھا۔ لیکن خود اندھا ابھی تک ایک بار بھی چال چلتے وقت نہیں ہنچکپایا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے پوری بساط اس کے ذہن میں محفوظ ہو۔ حمید یوں ہی اندھا دھند چالیں چل رہا تھا۔ آخر کار اسے جلدی مات ہو گئی اور وہ کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

”دوسری بازی.....!“ اس کے ساتھی نے پوچھا۔

”ٹھہرو..... میں ایک منٹ میں آیا۔“ حمید اٹھتا ہوا بولا۔ وہاں سے وہ سیدھا منیجر کے آفس میں آیا..... اور یہاں کی ابتری پر دھیان دے بغیر فریدی کو فون کرنے لگا۔

دھوکا

حمید پھر ہال میں واپس آ گیا۔ اندھے کی بازی ختم ہو گئی تھی اور اب وہ کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے خاموش بیٹھا تھا۔ اس کا ساتھی شاید کہیں چلا گیا تھا۔

حمید کے ساتھی نے دوبارہ مہرے جمانے شروع کئے۔

”اب بس.....!“ حمید نے کہا۔ ”کچھ پیو گے۔“

”نہیں سورج غروب ہونے سے پہلے میں کچھ نہیں پیتا۔“ اس کے ساتھی نے کہا۔

پھر خاموشی چھا گئی۔ ہال میں کافی رونق تھی..... اور کئی عورتیں حمید کو گھور رہی تھیں۔ شاید ان میں سے ایک آدھ ایسی بھی رہی ہوگی جنہوں نے اسے پچھلے موقع پر بکرے کے ساتھ دیکھا ہو۔

حمید نے دیدہ و دانستہ ان کی طرف سے منہ پھیر لیا تھا۔ پھر برآمدے میں اسے ایک بڑی خوبصورت لڑکی نظر آئی۔ وہ ہال میں داخل ہوئی چند لمحوں ادھر ادھر دیکھتی رہی پھر تیر کی طرح اس کی میز کی طرف آئی جس پر اندھا بیٹھا ہوا تھا۔

اندھے کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں اور پھر وہ مسکرانے لگا۔ لڑکی میز پر ہاتھ ٹیک کر جھکی اور آہستہ آہستہ کچھ کہنے لگی۔ اس کے اوپری ہونٹ کی جنبش بڑی ترغیب انگیز تھی۔

نہ جانے کیوں اسے دیکھ کر حمید کو اپنی ریڑھ کی ہڈی میں گدگدی کی سی کیفیت کا احساس ہونے لگا۔ اندھے کے ہونٹ سکڑے ہوئے تھے اور شاید وہ غیر معمولی توجہ سے لڑکی کی بات سن رہا تھا۔ اچانک وہ اٹھا اور تیز قدموں سے چلتا ہوا ہال سے نکل گیا۔ اس کے اس رویے پر حمید ایک بار پھر الجھن میں مبتلا ہو گیا۔ کوئی اندھا کسی سہارے کے بغیر اس طرح نہیں چل سکتا۔ لیکن جلد ہی اسے کار ڈرائیو کرنے والی روایت یاد آ گئی۔ لڑکی بھی اس آدمی کے پیچھے چلی جا رہی تھی۔ وہ کمپاؤنڈ میں کھڑی ہوئی ایک کار میں بیٹھ گئے۔ اندھا پچھلی سیٹ پر تھا اور لڑکی نے انجن اشارت کر دیا تھا۔

”دوست مجھے ذرا ایک کام یاد آ گیا ہے۔“ حمید اٹھتا ہوا اپنے ساتھی سے بولا۔

وہ ہنسنے لگا۔ اس نے کہا۔ ”لوٹو یا کے پیچھے؟“

”ارے نہیں..... لا حول..... ولا.....!“

اندھے کی کار پھانک کے باہر پہنچ چکی تھی۔ حمید نے اپنی کار کا انجن اشارت کیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ فریدی وہاں ضرور آئے گا۔ لیکن وہ انہیں چھوڑ کس طرح سکتا تھا۔ اس کی کار باہر نکلی..... اندھے کی کار کافی فاصلے پر تھی..... تعاقب شروع ہو گیا۔

اگلی کار چونکہ بھری پڑی سڑکوں سے گزر رہی تھی اس لئے حمید کو زیادہ احتیاط کی ضرورت نہ تھی۔ دونوں کا فاصلہ بہت کم تھا۔ اچانک اگلی کار ایک جگہ سڑک سے اتر کر ایک گلی میں مڑ گئی۔ حمید کو اس کی توقع نہیں تھی۔ حمید نے اپنی کار بھی سڑک سے اتاری۔ اگلی کار نظروں سے اوجھل ہو چکی تھی اور حمید گلی میں مڑنے ہی جا رہا تھا کہ ایک ٹھیلہ جو داہنی طرف سے آ رہا تھا گلی کے

کئے اور دل ہی دل میں گالیاں بکتا ہوا واپس آیا اور پھر جیسے ہی وہ باہر نکلا اس کے پیروں تلے سے زمین نکل کر کسی طرف کھسک گئی۔ کیونکہ اب وہ کار بھی غائب تھی اور جب وہ اپنی کار کی طرف متوجہ ہوا تو سر پر سے آسمان بھی نکل گیا۔ کار کے ایک اگلے پیچے کا ٹائر کسی نے چاقو سے کاٹ دیا تھا۔ حمید پھر واپس جا رہا تھا۔



فوجی عقبی دروازے سے نکلا اور چکر لگا کر پھر کمپاؤنڈ کے پھانک پر آکھڑا ہوا۔ جیسے ہی حمید ڈائینگ ہال میں داخل ہوا فوجی نے مہندی کی بازو کی اوٹ لے کر اس کی کار کی طرف بڑھنا شروع کیا جہاں حمید نے اپنی کار کھڑی کی تھی۔ ادھر زیادہ روشنی نہیں تھی اور کار کا ایک پہیہ مہندی کی بازو سے لگا ہوا تھا۔ فوجی نے جیب سے بڑا سا چاقو نکالا اور ٹائر کو ریتے لگا۔ نتیجہ برآمد ہونے میں دیر نہیں لگی۔ پھر اس نے اپنا کوٹ اتارا اور اسے بغل میں دبا کر سیدھا اپنی کار کی طرف آیا۔ چند لمحوں کے بعد کار کمپاؤنڈ کے باہر تھی۔

تھوڑی دور چل کر اس نے کار ایک سنسان گلی میں موڑ کر روک دی۔ پھر اس نے سیٹ کے نیچے سے ایک نمبر پلیٹ نکالی اور اسے پہلی والی نمبر پلیٹ پر فٹ کر دیا۔

کار دوبارہ چل پڑی۔

وہ ابھی مختلف سڑکوں سے گزر رہی تھی کہ پولیس کی پٹرول کاریں جن میں ریڈیو ٹرانسمیٹر فٹ تھے چاروں طرف دوڑنے لگیں۔ شاید سرجنٹ حمید نے آرکچو سے گمشدہ کار کے متعلق پولیس ہیڈ کوارٹر کو مطلع کر دیا تھا۔ نمبر تو اُسے یاد ہی تھے۔ لیکن کار کا ڈرائیور بڑی لاپرواہی سے کار ڈرائیور کرتا ہوا اپنی منزل کی طرف جا رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اس نے آسکرا سٹریٹ کی ایک شاندار عمارت کے سامنے کار روک دی۔ عمارت کے اندر پہنچ کر وہ ایک ایسے کمرے میں داخل ہوا جہاں ایک میز کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا اور میز پر صرف ایک فون رکھا ہوا تھا۔ اُس نے نمبر ڈائل کئے اور ماؤتھ پیس میں بولا۔

دہانے پر رک گیا۔ حمید نے ہارن دیا جتنی دیر میں ٹھیلہ اٹھا اگلی کار وہ گلی پار کر کے دوسری سڑک پر مڑ گئی تھی۔

راستہ ملتے ہی حمید تیز رفتاری کے ساتھ گلی سے گزر گیا۔ اگلی کار ٹریفک کی زیادتی کی وجہ سے زیادہ دور نہیں جاسکی تھی۔

تعاقب جاری رہا۔

سورج غروب ہو چکا تھا اور اب دھندلے کی ملگجی چادر کائنات پر محیط ہوتی جا رہی تھی۔

حمید سوچ رہا تھا کہ آخر اس بھاگ دھڑ کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔ اگلی کار اس طرح مختلف سڑکوں کے چکر لگا رہی تھی جیسے ڈرائیور کرنے والی کا مقصد محض تفریح ہو۔

اور پھر جب کار آرکچو کی کمپاؤنڈ میں داخل ہونے لگی تو حمید نے اطمینان کا سانس لیا۔ اس کے بعد ہی حمید بھی اپنی کار کمپاؤنڈ میں لے گیا۔

لیکن..... تئیر اور استعجاب کا وہ لمحہ..... شاید وہ حمید کو زندگی بھر یاد رہے۔ اس کار سے نہ تو لڑکی اتری اور نہ اندھا..... ڈرائیور کی سیٹ سے ایک ملٹری آفیسر اتر رہا تھا۔ وہ اپنی پوری وردی میں تھا۔ حمید آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کار کی طرف دیکھ رہا تھا۔ یہ سو فیصدی وہی کار تھی۔ اگر حمید کو اس کے نمبر یاد نہ ہوتے تو وہ سمجھتا کہ دھوکا کھا گیا ہوگا۔ نمبر اس کے ذہن میں محفوظ تھے۔ پھر کیا ہوا؟ وہ اندھا اور لڑکی کیا ہوئے؟

اس نے فوجی آفیسر کو آرکچو کے ڈائینگ ہال میں داخل ہوتے دیکھا۔

وہ تیزی سے اس کار کے قریب آیا۔ دونوں سیٹیں خالی تھیں۔ چند لمحوں کیلئے وہ بالکل ہی خالی الذہن ہو گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ دفعتاً وہ چونکا اور پھر جھپٹتا ہوا ڈائینگ ہال میں داخل ہو گیا۔

وہ کئی منٹ تک سرگرداں رہا لیکن وہ فوجی افسر نہ دکھائی دیا۔ پھر اس نے ویٹروں سے پوچھ گچھ شروع کی۔ نتیجہ مایوس کن برآمد ہوا۔ ایک ویٹر نے اُسے بتایا کہ ایک فوجی ابھی آیا ضرور تھا لیکن پھر وہ عقبی دروازے سے باہر چلا گیا۔ حمید نے اس منحوس عقبی دروازے کے درشن

”لوڑاٹا... لوڑاٹا...!“ وہ ایک لمحہ کے لئے رکا۔ پھر بولا۔ ”تیرا غلام گزالی بول رہا ہے... سب ٹھیک ہو گیا... میں اُسے پکڑ دیتا ہوں آرجو میں لے گیا۔“

پھر اس نے اپنے فرار کی داستان دہرا دی۔

”گزال... لوڑاٹا تجھ سے خوش ہوا۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔ ”کیا مانگتا ہے۔“

”عظیم لوڑاٹا... تیرے غلام کو کسی چیز کی کمی نہیں۔ گزالی اس لڑکی کو چاہتا ہے جس کا

باپ تیرے مقدس ہاتھوں سے دوسری دنیا میں پہنچ گیا۔“

”گزال...!“ دوسری طرف سے تنبیہ آمیز لہجے میں کہا گیا۔

”عظیم لوڑاٹا...!“ گزالی کانپ گیا۔

”تو لوڑاٹا کے غلاموں کے مسلک سے واقف ہے۔“

”عظیم لوڑاٹا... میں رحم کی بھیک مانگتا ہوں۔“

”آئندہ بخشی پوند کی بات نہ آئے۔“

”ایسا ہی ہوگا... لوڑاٹا...!“

گزالی نے فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔



سرجنٹ حمید آرجو میں فریدی کا انتظار کر رہا تھا۔ پہلے اس نے ہائی سرکل ٹائٹ کلب کے منیجر کو فون کیا تھا۔ اس نے بتایا کہ فریدی کچھ دیر تک وہاں اس کا انتظار کرتا رہا تھا پھر اپنا پتہ چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ حمید نے منیجر کے بتائے ہوئے پتہ پر فون کیا۔ فریدی وہاں موجود تھا... اُس نے اسے آرجو ہی میں انتظار کرنے کو کہا۔

حمید اس وقت کی شکست پر بُری طرح جھنجھلایا ہوا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر یہ سب ہوا کیسے! وہ دونوں کہاں اور کیسے غائب ہو گئے تھے... کیا اسی گلی میں جہاں چنانچہ انہوں نے کار اُس کی نظروں سے اوجھل ہو گئی تھی۔

حمید کو زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا۔ شاید بیس منٹ بعد فریدی آرجو کے ڈائینگ ہال میں داخل ہوا۔

”سب چوپٹ ہو گیا۔“ حمید نے کہا

”پہلے تم یہ بتاؤ کہ میرے منع کرنے کے باوجود بھی آج تم نے وہی حرکت کیوں کی۔“ فریدی نے جھنجھلا کر کہا۔

”اوہ... تو اس چگاڑے کے بچے نے پھر شکایت کر دی۔ اُس نے آپ کو وہ سادہ چیک

نہیں دکھایا۔ وہ اچھا خاصا سٹور ہے... اس نے برخوردار بغرا خاں کو چھیڑا ہی کیوں تھا۔“

فریدی چند لمحے اُسے گھورتا رہا پھر بولا۔ ”تم نے مجھے وہاں کیوں بلایا تھا۔“

”برخوردار بغرا خاں کے ایک کارنامے کی داد خواہی کے لئے۔“ حمید نے کہا۔ ”لیکن

افسوس کہ میں اس عظیم بکرے کو وہاں سے اپنے ساتھ نہ لاسکا تھا ورنہ یہ دن نہ دیکھتا۔“

حمید نے سارے واقعات دہرا دیئے۔ اس نے اُسے بتایا کہ کس طرح وہ محض اسی بکرے

کی وجہ سے اس پر اسرار اندھے کو پہچان سکا اور کس طرح بکرے کی عدم موجودگی میں اُس سے ہاتھ

دھو بیٹھا۔ فریدی غور سے سنتا رہا۔ درمیان میں دو ایک بار اس نے بولنا چاہا لیکن پھر خاموش ہو گیا۔

جب حمید سب کچھ کہہ چکا تو فریدی بولا۔ ”یہ بہت بُرا ہوا۔ یقیناً وہ لوڑاٹا ہی تھا۔ آج

میں نے اس کی گزشتہ زندگی کے متعلق اور بھی معلومات بہم پہنچائی ہیں۔ وہ حقیقتاً افریقہ کے

ڈاسے گا گا قبیلے کا ایک مذہبی پیشوا بھی ہے۔ تمہیں کافی احتیاط برتنی چاہئے تھی۔“

”تو بتائیے نا... مجھ سے کون سی غلطی سرزد ہوئی ہے۔“ حمید جھنجھلا کر بولا۔

”یہی کہ تم نے یہاں ٹھہر کر بیکار وقت ضائع کیا۔ جیسے ہی تم نے اس فوجی کو یہاں دیکھا

تھا تمہیں پھر اسی گلی میں واپس جانا چاہئے تھا۔ جہاں ایک ٹھیلے نے تمہاری راہ روک لی تھی۔ یا

اُس سے بھی زیادہ آسان طریقہ یہ تھا کہ تم یہاں باہر ہی ٹھہر کر اس فوجی کا انتظار کرتے۔“

”مجھے کیا معلوم تھا کہ وہ اس طرح نکل جائے گا۔“

”بچوں کی سی باتیں نہ کرو۔ آخر ان دونوں کے بجائے کار میں اُس فوجی کی موجودگی کا

کیا مطلب تھا۔ ظاہر ہے کہ وہ ہوشیار ہو گئے تھے۔ انہوں نے تمہیں دھوکا دیا تھا۔ ان کی جگہ فوجی نے اس لئے نہیں لی تھی کہ وہ تمہارے ساتھ بیٹھ کر آکس کریم کا لطف اٹھانا چاہتا تھا۔
”چلے میں گدھا۔۔۔!“ حمید جھلا کر بولا۔ ”اب آپ ہی تیر مارئے۔“
فریدی کچھ نہ بولا۔

”تھوڑی دیر بعد حمید نے کہا۔ ”مجھے کار کا نمبر یاد تھا۔“ میں نے پولیس ہیڈ کوارٹر کو اس سے مطلع کر دیا۔“

”اور تم سمجھتے ہو کہ وہ کار پکڑ لی گئی ہوگی۔“

”نہ بھی پکڑی گئی ہوگی تو کیا میں کنوارا مرجاؤں گا۔۔۔ یہ سالے دنیا بھر کے اندھے لو لنگڑے اسی شہر میں آمرتے ہیں۔“

”میں نے تم سے یہ تو نہیں کہا تھا کہ تم اس کیس میں دلچسپی لو۔“ فریدی تلخ لہجے میں بولا۔

”بہتر ہے! میں نے ابھی تک آپ کیلئے جتنی معلومات فراہم کی ہیں انہیں واپس لیتا ہوں۔“

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ تھوڑی دیر بیٹھا رہا پھر اٹھ کر چلا گیا۔



ہوٹل ڈی فرانس کے ایک کمرے میں فوزیہ بے چینی سے ٹہل رہی تھی۔ کسی نے باہر سے دروازے پر دستک دی۔

”آ جاؤ۔۔۔!“ فوزیہ نے ٹہلتے ٹہلتے رک کر کہا۔

دروازہ کھلا اور ڈیگال اندر داخل ہوا۔

”کیا بات؟“ فوزیہ نے حکمانہ لہجے میں کہا۔

”لیو کاس بہت شرمندہ ہے بے بی۔ اُس سے حماقت ہوئی۔ اُسے وہ طریقہ نہ اختیار کرنا چاہئے تھا۔ یقین مانو۔۔۔ اس کی قسمت بخیر تھی۔ اُس نے محض اس لئے تمہیں بیہوش کیا تھا کہ کہیں پولیس تم سے اصل بات نہ معلوم کر لے۔ مسٹر عدنان زندہ نہیں ہیں لیکن ان کا نام بڑا تھا

اور ہمیشہ رہے گا۔ ہم نہیں چاہتے کہ ان کے نام پر دھبہ لگے۔ اگر نور جہاں والی بات ظاہر ہو جائے تو۔۔۔ تم خود سوچو۔“

”لیکن تم نے ڈیڑی کی موت کے متعلق مجھ سے کیوں چھپایا۔“

”میں کس طرح بتاتا بے بی۔ میں نے سوچا تھا کہ آہستہ آہستہ تمہیں بتاؤں گا۔“

”خیر۔۔۔!“ فوزیہ کچھ سوچنے لگی۔

”اور۔۔۔ یہ دیکھو۔۔۔!“ ڈیگال نے جیب سے ایک لفافہ نکال کر فوزیہ کی طرف بڑھا دیا۔

”کیا ہے؟“

”اے پڑھو۔۔۔!“

فوزیہ نے لفافے سے کاغذ نکال لیا۔ جس پر تحریر تھا۔۔۔

”اندھیرے کا مالک تمہیں حکم دیتا ہے کہ چپ چاپ یہاں سے چلے جاؤ۔ ورنہ تم

سب تاریکی کی مملکت میں پہنچا دیے جاؤ گے۔ جہاں عدنان اس وقت اندھیرے

میں سرکلرانا پھر رہا ہے۔ اگر تم نے پولیس کو میرے متعلق بتایا تو تمہارا خون تمہاری

ہی گردن پر ہوگا۔ میں بے وجہ کشت و خون پسند نہیں کرتا۔ لیکن اپنی راہ میں آئے

ہوئے روزوں کو ہٹانا ہی پڑتا ہے۔“

فوزیہ نے کاغذ کو موڑ توڑ کر پیروں تلے مسل ڈالا۔

”بے بی۔۔۔ ہمیں جلد از جلد یہاں سے چلا جانا چاہئے۔“

”ہرگز نہیں۔“ فوزیہ نے سختی سے اپنے ہونٹ بھیج لے۔

”میں ڈرتا نہیں ہوں۔“ ڈیگال نے کہا۔ ”محض تمہاری وجہ سے۔“

”میری پرواہ مت کرو۔“ فوزیہ بولی۔ ”میں اُس اندھے کا خون اپنی آنکھوں سے دیکھنا

چاہتی ہوں۔“

”یہ بہت مشکل ہے بے بی۔ بہت مشکل۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ لوزانا کے ساتھ گاڑالی

بھی ہے اور تم اسے اچھی طرح جانتی ہو۔ وہ کتنے عرصہ تک تمہیں نگ کرتا رہا تھا۔“

”کچھ بھی ہو..... میں ڈیڈی کے خون کا بدلہ ضرور لوں گی۔“

”بچنا مت کرو بے بی۔ وہ بہت خوفناک آدمی ہے۔“

”ڈیگال.... اگر تم لوگ اس سے ڈرتے ہو تو مجھے یہاں تنہا چھوڑ کر واپس جاسکتے ہو۔“

میری رگوں میں ایک جنگجو قوم کا خون ہے۔“

”میں پھر کہوں گا کہ تم غلط سمجھی ہو۔ اگر میں ڈرتا ہوتا تو مسٹر عدنان کے ساتھ اس مہم پر نہ

آتا۔ مجھ پر تمہاری حفاظت فرض ہے۔“

”اچھا جاؤ..... بیکار مجھے پریشان نہ کرو۔ میرا جودل چاہے گا کروں گی۔ دوبارہ مجھے

تکلیف نہ دینا۔ میں تمہاری چاہتی ہوں۔“

ڈیگال چپ چاپ چلا گیا۔

فوزیہ ہلپٹی رہی۔ اس طرح چندہ منٹ گذر گئے۔ پھر اُس نے انگریزی لی اور شاید دروازہ

مقتل کرنے کی نیت سے آگے بڑھی ہی تھی کہ کسی نے باہر سے دروازے کا ہینڈل گھمایا۔

دروازہ کھلا اور ایک آدمی تیزی سے اندر داخل ہوا۔ اس کے ایک ہاتھ میں ریوالتور تھا۔ فوزیہ سہم

کر پیچھے ہٹ گئی۔ آنے والے نے دروازہ بند کر کے پیشانی سے ہیٹ کا گوشہ اٹھایا اور کوٹ

کے کالر گرا دیئے۔ فوزیہ کے سامنے گاڑالی کھڑا مسکرا رہا تھا۔

ایک شکار

پھر گاڑالی نے ریوالتور جیب میں ڈال لیا۔ فوزیہ اُسے گھور رہی تھی اور گاڑالی اُسے اس

طرح دیکھ رہا تھا جیسے کوئی بلی کسی چوہے کو قابو میں کر لینے کے بعد دیکھتی ہے۔ اس کی آنکھوں

سے جنسی درندگی جھانک رہی تھی۔

”تم بغیر اجازت میرے کمرے میں کیوں داخل ہوئے۔“ فوزیہ غرائی۔

گاڑالی کچھ نہ بولا اور نہ اس کے چہرے پر کسی قسم کا تغیر ہی دکھائی دیا۔ وہ پلک جھپکائے

بغیر فوزیہ کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

فوزیہ فون کی طرف بڑھی۔ وہ جھپٹ کر اس کے سامنے آ گیا لیکن اب بھی اُس کی پلکیں

نہیں جھپکیں۔ وہ برابر فوزیہ کی آنکھوں میں دیکھے جا رہا تھا۔ فوزیہ کے ہاتھ اُسے دھکیلنے کے لئے

اٹھے لیکن آگے نہ بڑھ سکے۔ پتہ نہیں وہ مسخور ہو گئی تھی یا پھر اُسے یہ خدشہ تھا کہ اگر اُس کی پلکیں

جھپکیں یا نظر ذرا سی بھی چوک گئی تو وہ اُس پر حملہ کر بیٹھے گا۔ بالکل سانپ اور نیولے کی سی جنگ

کا نقشہ تھا۔ فوزیہ چیخ سکتی تھی لیکن اس کے منہ سے ہلکی سی آواز بھی نہ نکلی۔

اچانک کسی نے دروازے پر دستک دی۔ گاڑالی چونک پڑا اور پھر وہ دو ہی جستوں میں

دروازے کے قریب تھا۔ اُس نے پھر ریوالتور نکال کر اس کا رخ فوزیہ کی طرف کر دیا جو کمرے

کے دوسرے سرے پر میز کے قریب کھڑی تھی۔



فریدی آرکچو سے اٹھنے کے بعد ہوٹل ڈی فرانس کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔ اُسے ڈیگال

اور اس کے ساتھیوں سے لوزانا کے متعلق کچھ اور بھی پوچھنا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ حمید نے ایک

بہترین موقع کھو دیا تھا۔ ظاہر ہے کہ اندھے تک پہنچنا آسان نہ رہا ہو گا تب ہی اس نے عدنان

کے کرائے پر مہیا کئے ہوئے آدمیوں میں سے تین کو زندہ نکل جانے دیا تھا ورنہ وہ انہیں بھی ختم

کر دیتا۔ اس لاپرواہی کا مطلب یہی ہو سکتا تھا کہ وہ خود کو محفوظ سمجھتا ہے اور یہ تو اُسے معلوم ہی

ہو چکا تھا کہ لوزانا تنہا نہیں ہے جیسے ہی فریدی ہوٹل ڈی فرانس میں داخل ہوا اُس کا متعین کیا

ہوا ایک آدمی اس کی طرف تیزی سے آیا۔

”لوکی کے کمرے میں ابھی ایک اجنبی داخل ہوا ہے۔“ اس نے کہا۔

فریدی سر ہلاتا ہوا اوپری منزل کی طرف چلا گیا۔ راہداری سنسان تھی۔ وہ فوزیہ کے

کمرے کے سامنے پہنچ کر رکھا۔

پھر اُس نے آہستہ آہستہ دستک دی۔ شاید ایک منٹ بعد اندر سے فوزیہ کی آواز آئی۔

”آ جاؤ.....!“

فریدی دروازہ کھول کر اندر چلا گیا۔ فوزیہ غسل خانے کے دروازے سے لگی کھڑی تھی اور اس کے چہرے سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کی پیٹھ میں کوئی چیز چھ رہی ہو۔ غسل خانے کے دروازے سے خفیف سادہ تھا۔

”کیا بات ہے؟“ فوزیہ نے پوچھا۔ فریدی کو اُسکے لہجے میں کچھ بناوٹ سی محسوس ہوئی۔

”میں یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ آپ موجود ہیں یا نہیں۔“ فریدی نے اُسے گھورتے ہوئے کہا۔

”مم..... میں..... مم..... موجود ہوں۔“

”تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں۔“ فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔ ”کیا آپ میرے ساتھ ڈائیننگ ہال تک چلیں گی۔“

فوزیہ گھبرا گئی اور یہ اچانک قسم کی گھبراہٹ اس کے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہی تھی۔

”جج..... جی نہیں..... آپ جا سکتے ہیں۔ میں اس وقت کوئی گفتگو نہیں کرنا چاہتی۔“

”اچھا پھر سہی۔“ فریدی نے لا پرواہی سے کہا۔ ”شب بخیر۔“

اس نے تیزی سے باہر نکل کر دروازہ بند کر دیا۔ داہنی طرف کیل سے کمرے کی دو کتجیاں

لٹک رہی تھیں۔ فریدی نے ہاتھ بڑھا کر کتجیاں اتاریں اور دروازے کو باہر سے مقفل کر دیا۔

پھر تیزی سے برابر والے کمرے میں بڑھا جو غالباً لیوکاس کا تھا۔ اس نے دستک دیئے بغیر

دروازے کا پینڈل گھمایا اور پھر دوسرے لمحے میں وہ اندر تھا۔ لیوکاس اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ قبل

اس کے کہ وہ کچھ کہتا فریدی نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش کر دیا۔

لیوکاس اُسے عجیب نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ فریدی نے بڑھ کر غسل خانے کے دروازے

کو دھکا دیا لیکن وہ اندر سے بند تھا۔

”کیا بات ہے۔“ لیوکاس نے فریدی کے قریب آ کر آہستہ سے پوچھا۔

”لڑکی کے کمرے میں کوئی ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”ڈیگال ہوگا۔“

”نہیں..... کوئی اور..... تم میں سے کوئی نہیں ہے۔ تم اپنے ساتھیوں کو بلاؤ۔ جلدی کرو۔“

بات اب بھی لیوکاس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ وہ حیرت سے منہ کھولے کھڑا رہا۔

”جلدی کرو۔“ فریدی اُسے دروازے کی طرف دھکیلتا ہوا بولا۔

لیوکاس چلا گیا۔ اُس کے ساتھیوں کے آنے میں دیر نہیں لگی۔

”اوہ..... آفسر..... کیا بات ہے۔“ ڈیگال آگے بڑھتا ہوا بولا۔

”کمرے میں لڑکی کے ساتھ کوئی ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”تم لوگ یہیں ٹھہرو..... غسل

خانے کے دروازے کا خیال رکھنا اور تم میرے ساتھ آؤ۔“

فریدی نے نیگرو کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ وہ پھر راہداری

میں آ گیا۔

اس نے فوزیہ کے دروازے کے قفل میں کتنی لگائی ہی تھی کہ اندر سے کسی نے غرا کر کہا۔

”گولی مار دوں گا..... لڑکی کو..... اگر کوئی اندر آیا۔“

”ارے.....“ سیاہ فام افریقی اچھل پڑا۔

فریدی نے اُسے جواب طلب نظروں سے دیکھا۔

”گازالی.....!“ نیگرو نے سرگوشی کی۔ ”لوزانا کا داہنا ہاتھ..... نہیں گورز۔ وہ خطرناک

ہے۔ وہ مسی کو ضرور مار ڈالے گا۔“

فریدی نے ایک جھٹکے کے ساتھ دروازہ کھول دیا۔

”شائیں.....!“ کوئی چیز اُس کے داہنے کان کے قریب سے گذر کر پچھلی دیوار سے

ٹکرائی۔ وہ پھرتی سے ایک طرف ہٹ گیا۔ فوزیہ بُری طرح چیخ رہی تھی۔ لیکن پھر شاید اس کا

منہ دبا دیا گیا۔

”ریو اور پھینک دو.....!“ فریدی نے باہر سے کہا۔ ”ورنہ تمہارا جسم چھلنی ہو جائے گا۔“

نوزیہ کی پشت گازی کے سینے سے لگی ہوئی تھی۔ بائیں ہاتھ سے اس نے اُس کی گردن دیوچ رکھی تھی اور داہنے ہاتھ میں ریوالور تھا۔ اس طرح نوزیہ اس کی ڈھال بن کر رہ گئی تھی۔
فار کی آواز پر بہت سے لوگ راہداری پر اکٹھا ہو گئے تھے۔ فریدی انہیں دروازے کے سامنے آنے سے روک رہا تھا۔

اب گازی نے ریوالور کی نال نوزیہ کی کمر سے لگادی اور اُسے دھکیلتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ ساتھ ہی ساتھ وہ چیخا بھی جا رہا تھا۔ ”اگر کسی نے مجھے چھوا بھی تو..... میں اس لڑکی کو جہنم میں پہنچا دوں گا۔“
وہ دروازے تک آ گیا تھا۔

فریدی نے بے بسی سے مجمع کی طرف دیکھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ شاید اسے اپنی اس وقت کی بے بسی تمام عمر یاد رہے۔ پستول کی نال نوزیہ کی کمر پر تھی۔ گازی کی انگلی کی ایک خفیف سی جنبش پر اُس کا خاتمہ ہو سکتا تھا۔ مجمع متحیر تھا کسی کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ لوگ ایک خونخوار آدمی کی گرفت میں ایک بے بس لڑکی کو دیکھ رہے تھے۔ لیکن شاید وہ اُس لڑکی سے بھی زیادہ بے بس تھے کیونکہ گازی کی غراہٹ برابر جاری تھی۔ وہ بڑی خوفناک آواز میں کہہ رہا تھا۔ ”قرب نہ آنا..... ورنہ لڑکی کو گولی مار دوں گا۔“

مجمع کائی کی طرح پھٹنے لگا۔ گازی نوزیہ کو آگے کی طرف دھکیلتا ہوا راہداری میں آ گیا تھا اور اب نیچے جانے کے لئے زینوں کی سمت بڑھ رہا تھا۔ اتنی دیر میں ڈائینگ ہال کے سارے آدمی اوپر پہنچنے کے لئے جدوجہد کا آغاز کر چکے تھے۔ عجیب معملہ خیز منظر تھا۔ فریدی جوان دونوں کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا خود کو اسٹیج کا مسخرہ تصور کرنے لگا تھا۔ غیر ارادی طور پر اس کے منہ سے نکل رہا تھا۔ ”ہو..... راستہ دو..... ہو..... راستہ دو۔“

کتنی عجیب چویشن تھی۔ قانون کا ایک محافظ ایک مجرم کے لئے راستہ بنا رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر کسی سے گازی کے معمولی سادہ کا بھی لگ گیا تو ریوالور کا ٹریگر کھنچ جائے گا۔ وہ ایک نفسیاتی لمحہ تھا۔ بچاؤ کی صورت نہ دیکھ کر ایک بلی بھی کسی شیر کی طرح جھپٹی ہے۔

گازی نے زینے طے کئے۔ ہال کے وسط میں پہنچ کر وہ نوزیہ سمیت مجمع کی طرف مڑا۔ ”پیچھے ہو.....!“ وہ زور سے چیخا۔ فریدی اسے غور سے دیکھنے لگا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اُس کی آنکھوں سے اس کے ذہن میں جھانکنے کی کوشش کر رہا ہو۔
”اور پیچھے ہو.....!“ گازی پھر چیخا۔ ”بٹتے جاؤ۔“

مجمع پیچھے ہٹا..... اور دفعتاً فریدی نے اپنے سامنے کھڑے ہوئے دو آدمیوں کو ایک طرف ہٹا دیا۔ اس کا داہنا ہاتھ جیب میں تھا اور عقابی آنکھیں گازی کے چہرے پر گڑھی ہوئی تھیں۔
اچانک گازی کا ریوالور والا ہاتھ بڑی پھرتی سے اوپر اٹھا۔ شاید وہ بجلی کے کسی بلب پر نشانہ لگا کر ہال میں اندھیرا کرنے جا رہا تھا لیکن اسے مہلت نہ ملی۔ مجمع نے فار کی آواز سنی.....
اور گازی کا ریوالور اچھل کر دور جا گرا۔ گازی نوزیہ کو دھکا دے کر اچھلا لیکن قبل اس کے کہ پیر زمین سے لگتے فریدی کے ریوالور سے دوسرا شعلہ نکلا اور گازی کو لمبوں کے بل دھب سے فرش پر آ گرا۔ اس نے پھر اٹھنا چاہا لیکن فریدی نے جھپٹ کر اس کی ٹھوڑی پر ایک ٹھوکر سید کر دی۔
نوزیہ کا حبشی باڈی گارڈ چیخ چیخ کر گانے لگا۔

”پلو مالا..... پلو مالا..... پے گوری..... ٹاگال۔“ (مارلیا..... مارلیا..... آخری نیزہ زہریلا تھا۔)
پھر اس نے اچھل اچھل کر جنگلی ناچ بھی شروع کر دیا۔

فریدی زخمی گازی کی ٹانگ پکڑ کر کھینچتا ہوا دروازے کے قریب سے ہٹا رہا تھا۔ گازی بیہوش نہیں ہوا تھا۔ نہ وہ چیخ رہا تھا اور نہ کراہ رہا تھا۔ اس کی خاموشی کسی ایسے سانپ کی بے بسی سے بہت مشابہ تھی جس کی کمر ٹوٹ گئی ہو اور وہ ایک ہی جگہ پر پڑا لہریں لے رہا ہو۔ اس کی پچیلی آنکھیں فریدی کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

”کھیل ختم ہو گیا۔“ فریدی مسکرا کر بولا اور پھر اُس نے اُسے گریبان سے پکڑ کر اٹھاتے ہوئے ایک کرسی میں ڈال دیا۔

حبشی ابھی تک ناچ رہا تھا۔ ڈیگال وغیرہ بڑی مشکل سے اس پر قابو پاسکے۔

فریدی مجمع کی طرف مڑا۔

”خواتین و حضرات۔“ اس نے بلند آواز میں کہا۔ ”آپ لوگ براہ کرم اپنی جگہوں پر تشریف رکھئے۔ کوئی خاص بات نہیں۔ ایک مجرم۔ جس کی پولیس کو تلاش تھی۔“

مجمع میں کئی ایک فریدی کے ملاقاتی بھی تھے لیکن ان میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ اس وقت فریدی کی قریب بھی آتے۔ فریدی گاڑی کو اُنکے چارج میں دے کر فون کی طرف بڑھا۔

پرنسٹن کا تھانہ قریب ہی تھا۔ فون کرنے کے ٹھیک سات منٹ بعد تھانے کا انچارج وہاں پہنچ گیا۔ گاڑی کو اُس کے سپرد کر کے فریدی ڈیگال کے ساتھ پھر اوپری منزل پر چلا گیا۔ فوزیہ کی حالت ابتر تھی۔ ابھی تک اس کے جسم کی تھر تھری نہیں مٹی تھی۔

”وہ کس لئے آیا تھا۔“ فریدی نے فوزیہ سے پوچھا۔

فوزیہ کچھ نہ بولی۔ وہ بدستور سر جھکائے بیٹھی رہی۔

”آفسیر!...“ ڈیگال کنکھار کر بولا۔ ”بات دراصل یہ ہے کہ گاڑی پہلے بھی بے بی کو پریشان کرتا رہا ہے۔ لیکن مسٹر عدنان کی زندگی میں اُسے کبھی اتنی جرأت نہیں ہوئی۔“

”لو زانا اور عدنان کے تعلقات کس قسم کے تھے۔“

”کسی قسم کے بھی نہیں۔“ ڈیگال جلدی سے بولا۔ ”اس نے مسٹر عدنان کو دھوکہ دے کر

اسی ہزار انگلش پونڈ انٹھ لئے تھے۔“

”شاید چھ ماہ پیشتر کی بات ہے۔“ لیوکاس نے ٹکرا لگایا۔

فریدی نے اسے ایسی نظروں سے دیکھا جیسے اُس کی بات پر یقین نہ آیا ہو۔

”ہمم!...“ فریدی سگار کا کونا توڑتا ہوا بولا۔ ”میرا خیال ہے یہ تین سال پہلے کی بات ہے۔“

”کیوں؟“ ڈیگال چونک پڑا۔ ”میں نہیں سمجھا۔“

”لیکن میں سمجھ گیا ہوں۔“

”آخربات کیا ہے؟“ ڈیگال بے چینی سے پہلو بدلتا ہوا بولا۔

فریدی چند لمحے اسے گھورتا رہا پھر سگار سلگانے کے لئے جھکا۔ کمرے کا سناٹا کچھ اور بھی پردستک دی۔ گاڑی نے ریو اور نکال لیا۔ پھر وہ مجھے غسل خانے کے دروازے پر لایا۔ خود اندر بوجھل ہو گیا۔ ان میں کم از کم ایک آدمی ایسا ضرور تھا جس کی چڑھتی ہوئی سانسیں کمرے کی

محدود فضا میں گونج رہی تھیں۔

”میں اب تم سے کچھ نہیں پوچھوں گا۔“ فریدی اٹھتا ہوا بولا۔

”ہم نے سب کچھ بتا دیا ہے آفسیر!...“ ڈیگال بھی اٹھتا ہوا بولا۔

اور پھر اُن سب کی تحیر آمیز نظریں فریدی کا تعاقب کرتی رہیں۔ وہ کمرے سے جا چکا

تھا۔ ڈیگال چند لمحے بے چینی سے ٹھٹھاتا رہا پھر اپنے ساتھیوں سے بولا۔ ”تم لوگ آرام کرو۔“

لیوکاس کے علاوہ اور سب چلے گئے اور اُنکے جانے کے بعد ڈیگال لیوکاس کو گھورنے لگا۔

”تم نے!...“ وہ دانت پیس کر بولا۔ ”سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔“

”میری وجہ سے کیوں؟“ لیوکاس نتھنے پھلا کر بولا۔

”تم نے بے بی کو بیہوش کر کے اُسے ہماری طرف سے مشکوک کر دیا ہے۔“

”میں کیا کرتا!... کیا یہ تمہاری ہدایت نہیں تھی کہ!...“

”کچھ نہیں۔“ ڈیگال ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”فضول بحث سے کوئی فائدہ نہیں۔“

لیوکاس جھلاہٹ میں کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ فوزیہ بول پڑی۔ ”بچکی باتوں میں الجھنے

سے کیا فائدہ۔ اب ہمیں کیا کرنا چاہئے۔ یہ آدمی بہت زیادہ چالاک معلوم ہوتا ہے۔“

”بین الاقوامی شہرت کا مالک ہے۔ بے بی۔“ ڈیگال نے کہا۔ ”یہ ہماری بد قسمتی ہے کہ

ہم ایک ایسی آدمی سے ٹکرائے۔ میرا خیال ہے کہ وہ سب کچھ جانتا ہے ورنہ تین سال قبل کا

حوالہ نہ دیتا۔“

”لیکن اس وقت اس کی وجہ سے میری جان بچ گئی۔“ فوزیہ بولی۔

”ہوا کیا تھا!...؟“ ڈیگال نے پوچھا۔

”تمہارے جانے کے شاید دو منٹ بعد گاڑی کمرے میں گھس آیا۔ لیکن ابھی تک نہیں

سمجھ سکی کہ وہ چاہتا کیا تھا!... اوہ مگر اُسے کچھ کہنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ جلد ہی کسی نے دروازے

پر دستک دی۔ گاڑی نے ریو اور نکال لیا۔ پھر وہ مجھے غسل خانے کے دروازے پر لایا۔ خود اندر

چلا گیا اور مجھے دروازے کے قریب کھڑا کر دیا۔ ریو اور کی نال میری کمر سے لگی رہی۔ میں نے

حمید نے اخبار رکھ کر ایک گہری سانس لی اور پھر چائے پینے لگا۔

اُس کی نظروں میں یہ سارا معاملہ قطعی بے سرو پا تھا۔ آخر نور جہاں کون تھی۔ جس کے لئے یہ سب کچھ ہوا۔ اگر وہ عدنان کی کوئی تھی تو اُس نے براہ راست سرکاری طور پر کوئی کارروائی کیوں نہیں کرائی۔ فریدی اس کے متعلق کچھ جانتا تھا۔ ابھی تک مشاہدات کی بناء پر یونہی ثابت ہوا تھا کہ فریدی اس کے متعلق کچھ نہ کچھ ضرور جانتا ہے۔ اس کے منہ سے نور جہاں کا نام سن کر ڈیگال اور فوزیہ بُری طرح بدحواس ہو گئے تھے۔

ناشتے سے فارغ ہو جانے کے بعد حمید سوچنے لگا کہ اب اُسے کیا کرنا چاہئے۔ تنہائی اُسے اکتاہٹ کی طرف لے جا رہی تھی۔ دل بہلانے کے لئے بکرا قطعی ناکارہ تھا۔ ایسے مواقع پر اُسے اپنی چوبیس برس کی عمر یاد آنے لگتی تھی۔ وہ کئی دنوں سے سوچ رہا تھا کہ اسے پھر ایک چوبیس سال کر اسے تربیت دینی چاہئے۔

بکرا اس نے محض اس لئے پالا تھا کہ اپنی بعض شناسا عورتوں کو چڑھا سکے جو کتے پالتی تھیں اور تھوڑا بہت فریدی کو بھی تنگ کرنا مقصود تھا۔

حمید لباس تبدیل کرنے کے لئے اٹھ ہی رہا تھا کہ ایک نوکر نے قاسم کی آمد کی اطلاع دی۔ وہ ڈرائیوگ روم میں ایک صوفے پر جوتوں سمیت پڑا حمید کا انتظار کر رہا تھا۔ حمید کو دیکھ کر اٹھ بیٹھا۔

اس کا موڈ کچھ خراب معلوم ہو رہا تھا۔ حمید نے سوچا چلو غنیمت ہے تنہائی سے تو نجات ملی۔ قاسم بڑے بڑے منہ بنارہا تھا۔

”کیا بات ہے؟“ حمید نے پوچھا۔ ”بیوی سے لڑ کر آرہے ہو۔“

”ہاں.....!“ قاسم اس طرح جھلا کر بولا جیسے اُس کی بیوی کا سگا بھائی ہو۔ ”سالی اب بالکل ناقابل برداشت ہو گئی ہے۔“

”سالی سے کیا مطلب..... تم بیوی کی بات کر رہے تھے۔“

”یار تاناؤ نہ دلاؤ..... ورنہ تمہیں مار بیٹھوں گا۔“

”خطرناک دشمن“ اور ”جنگل کی آگ“ جلد نمبر 12 ملاحظہ فرمائیے۔

آفسر کو اندر آنے کی اجازت دی۔ گاڑی نے یہی کہا تھا۔ مگر وہ آفسر انتہائی چالاک ہے۔ وہ کچھ سمجھ گیا۔ جب میں نے گاڑی ہی کے کہنے پر اُسے کمرے سے چلے جانے کو کہا تو وہ چپ چاپ نکل گیا اور پھر یہ سب کچھ ہو گیا۔ میرے خدا! کتنی خطرناک چوبیس تھی اور اُس نے کتنی آسانی سے گاڑی کو سیدھا کر دیا۔ مجھے تو وہ لوڑانا سے بھی زیادہ خطرناک معلوم ہوتا ہے۔“

ڈیگال کچھ دیر خاموش رہا پھر بولا۔ ”اسے لکھ لو بے بی کہ لوڑانا کو یہاں اس کی موت ہی لائی ہے۔ فریدی حقیقتاً برا خطرناک آدمی ہے۔“

کتا جھپٹتا ہے

دوسری صبح حمید کے لئے زیادہ خوشگوار نہیں تھی۔ اُسے رہ رہ کر وہ چیک یاد آ رہا تھا جو اس نے ہائی سرکل نائٹ کلب کے منیجر کو دیا تھا اور منیجر نے بعد کو اسی کے سامنے بڑی بے دردی سے اس پر ایک بڑی رقم لکھ لی تھی۔ اگر اسے اندھے کا تعاقب نہ کرنا ہوتا تو اس کی جیب سے ایک پائی بھی نہ نکلتی۔

فریدی رات سے اب تک واپس نہیں آیا تھا اور حمید کو ہوٹل ڈی فرانس میں پیش آنے والے حادثے کا بھی علم نہیں تھا۔

ناشتے کی میز پر اس نے صبح کا اخبار اٹھایا۔ پہلے ہی صفحے پر ہوٹل ڈی فرانس والے واقعے کی خبر تھی۔ حمید نے چائے کی پیالی رکھ دی۔

خبر کے اختتام پر نوٹ تھا۔ ”بعد کی اطلاعات مظہر ہیں کہ پولیس کی ذرا سی غفلت کی بناء پر انسپکٹر فریدی کی ممتوں پر پانی پھر گیا۔ مجرم سے بعض حیرت انگیز انکشافات کی توقع تھی لیکن بیان دینے سے قبل ہی اُس نے خودکشی کر لی۔ اس کی ڈھکن دار انگٹھی میں کوئی بہت ہی سرچل اثر قسم کا زہر تھا۔ پرنسٹن کے تھانے کے انچارج کی آنکھوں کے سامنے مجرم اُسے چاٹ گیا۔“

”تم کیا کر رہے ہو۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔
 ”برخوردار بغرا خاں کی شادی کی فکر کر رہا ہوں۔“
 ”ایک بلڈ ہاؤنڈ لے کر پرستن کے تھانہ پر آ جاؤ۔“
 ”کیوں؟“

”ضرورت ہے۔“ فریدی نے جھلا کر کہا۔ ”جلدی آؤ۔“
 ”برخوردار بغرا خاں بھی ضد کر رہا ہے۔ وہ بھی آئے گا۔“
 حمید بکٹا رہا۔ لیکن دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔



طویل القامت اندھا لوزا اپنی عجیب و غریب تفریح میں مشغول تھا۔ میز پر بہت سے
 چاقو بکھرے ہوئے تھے اور کمرے کے ایک گوشے میں ایک آدمی بڑا سا تھپلا اٹھائے کھڑا تھا۔
 ”چلو!“ اندھے نے کہا۔

گوشے میں کھڑے ہوئے آدمی نے تھیلے سے ایک موٹا سا چوہا نکال کر فرش پر ڈال دیا۔
 چوہے کے ایک پیر میں ننھا سا گھنگرو بندھا ہوا تھا۔ لوزا نے میز سے چاقو اٹھایا اور چوہے نے
 آدھا کمرہ بھی نہیں طے کیا تھا کہ چاقو اس کا جسم چھیدا ہوا دوسری طرف نکل گیا۔ چوہا چاقو
 سمیت اچھلنے لگا۔

”کیوں؟“ لوزا اس آدمی کی طرف مڑ کر بولا۔
 ”لوزا! سورج ہے۔ عظیم لوزا! آدمی کا نپتا ہوا بولا۔
 ”دوسرا!“ لوزا نے کہا۔

اس نے دوسرا چوہا چھوڑا۔ لوزا نے پھر چاقو پھینکا۔ اور اس کا بھی وہی حشر ہوا۔ وہ
 گھونگر دوں کی آواز پر نشانہ لگاتا تھا۔ یکے بعد دیگرے چھ چوہے ختم کرنے کے بعد وہ اس
 آدمی سے بولا۔ ”بیلا کو بھیج دو۔“

”آخربات کیا ہے؟“
 ”ہماری کوشی کے سامنے وہ داور صاحب رہتے ہیں نا۔۔۔۔۔ آج ان کی لڑکی ثمنہ میری توند
 پر کے مار رہی تھی۔ بس سالی مجھے سے اکھڑ گئی۔۔۔۔۔ کہنے لگی میں سب سمجھتی ہوں۔۔۔۔۔ آخر کیا سمجھتی
 ہے الو کی پٹھی۔“

پھر قاسم خاموش ہو کر اس طرح حمید کو گھورنے لگا جیسے اس کا جواب اسی سے چاہتا ہو۔
 ”لڑکی کی عمر کیا ہے؟“ حمید نے پوچھا۔
 ”نہیں پہلے یہ بتاؤ کہ وہ کیا سمجھتی ہے۔“
 ”ابے میں کیا بتاؤں۔“
 ”نہیں اندازاً۔۔۔۔۔ کچھ!“

”پہلے اس کی عمر بتاؤ پھر میں اندازہ لگاؤں گا۔“ حمید نے کہا۔
 ”تیرہ یا چودہ سال۔“ قاسم نے غصیلی آواز میں کہا۔
 ”تب تو وہ ٹھیک ہی سمجھتی ہے۔“ حمید مسکرا کر بولا۔ ”وہ تمہاری توند پر کے کیوں مار رہی تھی۔“
 ”یونہی۔۔۔۔۔ مذاقاً!“
 ”تم اسے پسند کرتے ہو کہ وہ تمہاری توند پر کے بازی کیا کرے۔“
 ”کیا حرج ہے۔۔۔۔۔ زور سے تو مارتی نہیں!“
 ”اگر تمہاری بیوی بھی یونہی کسی کی توند پر شوق فرمانا شروع کر دے تو۔“
 ”زندہ دفن کر دوں سالی کو۔“ قاسم گرج کر بولا۔
 ”آخر کیوں؟“

”بحث مت کرو۔۔۔۔۔ مجھ سے۔“ قاسم حلق پھاڑ کر چیخا اور کپاؤنڈ میں کتے بھونکنے لگے۔
 ”تمہارے کنوارے پن کا کیا حال ہے۔“

قاسم جھلا کر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ حمید نے فون کی گھنٹی سنی۔ وہ ڈرائینگ روم سے اٹھ کر
 فریدی کے کمرے میں آیا۔۔۔۔۔ ریسیور اٹھایا۔ اور پھر اس کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

وہ تعظیماً جھکا اور کمرے سے چلا گیا۔ اس نے مردہ چوہے بھی نہیں اٹھائے اور نہ ان کے جسموں سے چاقو ہی نکالے۔

تھوڑی دیر بعد ایک خوبصورت سی لڑکی کمرے میں داخل ہوئی۔

”یلا...!“

”ہاں... لوزانا۔“

”کیا خبر ہے؟“

”گازالی کے متعلق صحیح خبر تھی۔“

”اُس کتے کو میں نے باز رکھنے کی کوشش کی تھی۔“ لوزانا سرد لہجے میں بولا۔ ”لوزانا“

حکم نہ ماننا موت کو دعوت دینا ہے۔ موت ان کا پیچھا کرتی ہے دن رات ان کے سروں منڈلاتی رہتی ہے۔ اور پھر وہ اس کا لقمہ بن جاتے ہیں۔

”میں نے لاڈن کو وہاں بھیجا ہے۔ جہاں اس کی لاش ہے۔“ یلا نے کہا۔

”اس احقر زولو کو تو نے ناحق بھیجا۔“ لوزانا کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”لیکن بھیجا ہی کیوں؟“

”ممکن ہے گازالی کے پاس کوئی ایسی چیز رہی ہو جس سے انہیں ہمارا سراغ مل سکے۔“

”خیال ٹھیک ہے۔“ لوزانا بڑبڑایا۔ ”لیکن لاڈن اس کیلئے موزوں نہیں تھا۔ خیر...!“

”عظیم لوزانا...“ یلا تھوڑی دیر خاموش رہ کر بولی۔ ”میری مجال نہیں کہ تجھے کوئی مشورہ

دے سکوں لیکن کیا یہ مناسب نہیں کہ ہم یہ جگہ چھوڑ دیں۔“

”کیا تو... لوزانا کی پر اسرار قوتوں سے واقف نہیں۔“

”میں واقف ہوں لوزانا... تجھ پر ساری دنیا کا حال روشن ہے لیکن میں نے یہاں

ایک آدمی کے متعلق بہت کچھ سنا ہے۔“

”تیرا اشارہ اُس جاسوس کی طرف جس نے گازالی کو پکڑا تھا۔“

”ہاں... لوزانا... اُس دن نائٹ کلب میں تجھے پہچانے ہی کیلئے بکرا چھوڑا گیا تھا۔“

لوزانا ہنسنے لگا۔

”واقعی یہاں کے سراغ رساں بڑے چالاک ہیں۔ مجھ سے دراصل اس رات کو غلطی

ہوئی۔ مجھے اُن تینوں آدمیوں کو زندہ نہ چھوڑنا چاہئے تھا۔ بلاشبہ اُن ہی تینوں کی بناء پر پولیس کو

ہم سے آگاہی ہوئی۔ عدنان کے ساتھی تو خاموش ہی رہتے۔ خیر فکر نہ کرو۔ میں اس وقت

تک یہاں ٹھہروں گا جب تک کہ جواہرات کی نمائش نہ شروع ہو جائے۔“

تھوڑی دیر خاموشی رہی پھر یلا نے کہا۔

”گازالی کی جگہ اب کون کام کرے گا۔“

”تیرے علاوہ اب کون کر سکتا ہے۔“ لوزانا مسکرا کر بولا۔ ”میں نے تجھے سب سے زیادہ روشنی

بخشی ہے۔ کیا یہ اسی روشنی کا فیض نہیں تھا کہ تو نائٹ کلب والے واقعے سے واقف ہو گئی تھی۔“

”لوزانا... مالک ہے۔“ یلا تعظیماً جھک کر بولی۔

”اب میری بات سن! تو ابھی جس جاسوس کا تذکرہ کر رہی تھی وہ سچ سچ خطرناک ہے۔

اس کا کام تمام کر دے۔ آخر وہ کیچوے کس دن کام آئیں گے۔“

”اوہ... کیچوے۔“

”ہاں... اس کی کار میں... یہ کام آملیگا س کرے گا۔ آملیگا س کو میں تیرے چارج

میں دیتا ہوں۔ سارے کام اسی سے لے۔ لاڈن جیسے کیچوے یہ سب نہیں کر سکتے۔“

کمرے میں پھر خاموشی مسلط ہو گئی... دفعتاً ایک زخمی چوہا چاقو سمیت پھڑکنے لگا۔



سرجنٹ حمید بلڈ ہاؤنڈ لے کر پرسنل کے تھانے پر پہنچ گیا۔ قاسم بھی اُس کے ساتھ تھا۔

راستے بھر وہ فوزیہ کے مسئلے پر حمید کو بور کرنا آیا تھا۔ اُس نے آج تک کوئی ترک لڑی نہیں

دیکھی تھی۔ اس لئے وہ حمید پر زور ڈال رہا تھا کہ اگر تعارف نہیں تو کم از کم درشن ہی کرادے۔

فریدی تھانے میں موجود تھا۔ حمید بلڈ ہاؤنڈ اس کے سپرد کر کے گازالی کی لاش دیکھنے چلا

گیا۔ واپسی پر اس نے فریدی کو بتایا کہ آرجو میں اسی نے اُس کی کار کا ٹائر پھاڑا تھا۔

ایک طرف آہستہ آہستہ دوڑنے لگا۔

”کتے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔“ حمید نے پوچھا۔

فریدی کتے کے تعاقب میں تھا۔ وہ گلی میں گھسا یہاں بھی اس نے دو تین جگہ زمین
سوتکھی اور پھر دوڑنے لگا۔

”آپ موجود تھے۔“

”کیا حماقت ہے۔“ حمید بڑبڑایا۔ ”اگر وہ آگے چل کر اپنے پیروں سے نہ گیا ہو تو.....!“

”فکر نہ کرو..... میں کوئی امکانی بات نہیں چھوڑتا۔ مجھے یقین نہیں ہے کہ ہم اس تک پہنچ سکیں گے۔“

”پھر اس طرح جھک مارنے سے کیا فائدہ۔“

”اوہ... تم... شاید!“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”کسی جاسوسی ناول کے سراغ رساں کی طرح آرام کرسی کے جاسوس بننا چاہتے ہو۔“

”ہمکلاک شومز....!“ فریدی مسکرایا۔

”اے شرلاک، ہومز....!“ حمید بولا۔

”وہی ہوگا سالا۔ تم میرے بچے میں مت بولا کرو۔“ قاسم برا مان گیا۔

کتنے نے رومال کو سونگھ کر ہلکی سی آواز نکالی اور سر اٹھا کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ پھر وہ تھانے کی عمارت کی ایک کھڑکی کی طرف بڑھا۔ جس کا تعلق مردہ خانے سے تھا۔

کھڑکی کے نیچے پہنچ کر اس نے پھر زمین سونگھی اور بھونکنے لگا۔ پھر وہ زمین سونگھتا ہوا پھاٹک کی طرف دوڑا.... چند لمحے پھاٹک پر رک کر چاروں طرف دیکھتا رہا اور پھر بھونکتا ہوا فریدی وغیرہ کی طرف پلٹ آیا۔

”اچھا بھئی قاسم!...“ فریدی بولا۔ ”اب شاید ہم تمہارا ساتھ چھوڑ دیں گے۔“

”ہو..... ہو..... اچھا..... اچھا..... مجھے بھی ذرا کام ہے۔“

فریدی اور حمید کتے کے پیچھے چل پڑے۔ وہ پھاٹک سے گذر کر سڑک پر آئے اور کتا

”اسے دور لے جاؤ۔“ فریدی آہستہ سے بولا۔ ”میں ابھی آیا۔“

حمید نے برا سامنہ بنایا اور کہتے کو کھینچتے ہوئے دوسری طرف لے جانے لگا۔ فریدی رستوران میں چلا گیا۔ حمید کچھ دور چلنے کے بعد کہتے کے پٹے میں زنجیر ڈالنے کی لئے رکا۔ فریدی تیزی سے اس کی طرف آ رہا تھا۔

”حمید اسے واپس لے جاؤ۔ وہ ریسٹوران میں موجود ہے۔“

”لے آؤ..... لے جاؤ.....!“ حمید جھنجھلا کر بولا۔ ”کتا خسی کیلئے میں ہی رہ گیا ہوں۔“

فریدی کچھ کہے بغیر تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا ریسٹوران میں داخل ہو گیا۔

کتا بھی اسی طرف جانے کے لئے زور کرنے لگا تھا۔

اچانک سڑک کے دوسرے کنارے پر حمید کو ایک لڑکی دکھائی دی صورت کچھ جانی پہچانی

سی معلوم ہو رہی تھی..... ”کیا.....؟“ اس کے ذہن کو جھٹکا سا لگا..... یہ وہی تو نہیں..... جو اُس دن لڑکی ہال کے درمیان میں کھڑی بری طرح چیخ رہی تھی۔ کوئی کچھ سمجھ ہی نہ سکا۔ معمولی آدمیوں اندھے کے ساتھ تھی..... لڑکی بھی سڑک پار کر کے اسی ریسٹوران میں چلی گئی۔

تھی۔ وہ اپنے شکار کے متعلق بھی بھول چکا تھا۔

کچھ لوگ نہ جانے کیا سمجھے کہ انہوں نے اس ویٹر کو پکڑ کر پینٹا شروع کر دیا۔ فریدی

بہر حال قانون کا محافظ تھا۔ وہ ویٹر کو چھڑانے کے لئے دوڑا۔

پھر ساری بھیڑ ویٹر کے گرد جمع ہو گئی۔

اچانک فریدی چونکا اور ویٹر تک پہنچنے کا خیال چھوڑ کر وہ پھر اپنی جگہ آیا لیکن غیر ملکی والا

کیمین خالی تھا۔ وہ اسے بھیڑ میں تلاش کرنے لگا لیکن وہ وہاں بھی نہ ملا..... اور وہ لڑکی۔ وہ

غائب تھی۔ لیکن ویٹر کے گرد بھیڑ بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ فریدی بیرونی دروازے کی طرف لپکا۔



سار جٹ حمید جہاں تھا وہیں اس کے قدم جم گئے تھے۔ اس نے لڑکی کو اچھی طرح پہچان

لیا تھا، اور اب اُسے الجھن ہونے لگی تھی۔ نہ وہ کتے کو چھوڑ سکتا تھا اور نہ اسے لے کر ریسٹوران

کے اندر جاسکتا تھا۔ اگر وہ آدمی جس کی فریدی کو تلاش تھی ریسٹوران ہی میں موجود تھا تو کتے کو

وہاں لے جانا دانش مندی نہیں ہو سکتی تھی۔ کیوں کہ وہ اس کی بوسوس کرتے ہی جھپٹ پڑتا۔

دوسری طرف یہ خیال کہ فریدی اس لڑکی سے واقف نہیں تھا۔ ہو سکتا تھا وہ اُسے چوٹ

دے جاتی۔ یعنی اُس کے شکار کو اس بات سے آگاہ کر دیتی کہ اس کا تعاقب کیا جا رہا ہے۔ اس

لڑکی اور سانپ

فریدی نے اخبار اٹھایا تھا۔ لیکن اس کی نظر سامنے والے کیمین پر تھی۔ جہاں ایک غیر ملکی

بیٹھا کولڈ ڈرنک کی چکیاں لے رہا تھا۔ فریدی اس کے چہرے کی بناوٹ کے متعلق غور کرنے

لگا۔ یقیناً وہ افریقہ ہی کا باشندہ ہو سکتا ہے۔ غالباً زولو قوم سے تعلق رکھتا ہے۔ کھلتا ہوا گندی

رنگ یہی کہتا ہے اور پھر جیزوں کی بناوٹ..... کاسہ سر کی ابھری ہوئی کچھلی ہڈیاں..... وہ زولو ہی

ہو سکتا ہے۔

ایک لڑکی فریدی کے قریب سے گزر کر اس کے شکار کے کیمین کے ملحقہ کیمین میں

جا بیٹھی۔ لیکن فریدی اسے اس غیر ملکی کو کسی قسم کا اشارہ کرتے نہ دیکھ سکا تھا۔

غیر ملکی نے اطمینان سے کولڈ ڈرنک کا گلاس ختم کر کے اطمینان سے کرسی کی پشت سے

ٹیک لگائی اور پھر اس طرح آنکھیں بند کر لیں جیسے بقیہ وقت اسی کیمین میں بیٹھا بیٹھا گزار دے

گا۔ فریدی نے کافی کا آرڈر دے کر سگار سلگا لیا۔

لڑکی والے کیمین میں ایک ویٹر چائے کی کشتی لئے ہوئے داخل ہوا۔ کشتی میز پر رکھ کر وہ

کا اندازہ تو حمید نے پہلے ہی لگالیا تھا کہ فریدی اُسے پکڑنا نہیں چاہتا تھا۔ ورنہ وہ ریسٹورا سے واپس آ کر اس سے کتے کو واپس لے جانے کیلئے نہ کہتا۔ شاید وہ صرف اس کا تعاقب کرنا چاہتا تھا حمید ریسٹوران سے کافی فاصلے پر تھا۔ اُسے فریدی کی ہدایت کے مطابق اب تک واپس چلا جانا چاہئے تھا۔۔۔۔۔ لیکن وہ لڑکی۔۔۔۔۔ اس نے اُسے الجھن میں ڈال دیا تھا۔ اس کی سمجھ بڑ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ اگر اُسے کوئی ڈیوٹی کا نشیل بھی نظر آ جاتا تو وہ کتے کو اس کے ہر کر کے خود بھی فریدی کے پاس پہنچ گیا ہوتا۔

اچانک بلڈ ہاؤس قریب سے گزرنے والے ایک آدمی پر جھپٹا۔ زنجیر پر حمید کی گرز مضبوط نہیں تھی۔ آدمی اچھل کر بھاگا اور اس کی ٹانگ کتے کے جبرؤں کے درمیان آنے۔ بال بال بچی۔ حمید نے جھپٹ کر کتے کو دونوں ہاتھوں سے دبوچ لیا۔ وہ آدمی بھاگتا ہوا ایک میں گھس گیا۔ حمید کی جان میں جان آئی۔ اس نے سوچا چلو اچھا ہی ہوا۔ اگر وہ آدمی بھاگے بجائے اُس پر الٹ پڑتا تو معاملے کو برابر کرنے میں بڑی دشواری پیش آتی۔

کتا آپے سے باہر ہو رہا تھا۔ لوگ حمید کے گرد اکٹھا ہونے لگے اور وہ ایک اچھا خا تماشا بن کر رہ گیا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ کتے کی ٹانگیں چیر ڈالے۔ کتا بار بار اسی گلی کی طرف جھپٹ رہا تھا جدھر وہ آدمی گیا تھا۔ حمید اتنا بدحواس ہو گیا تھا کہ کچھ سمجھ ہی نہ سکا۔

دفعتاً فریدی اس کی گردگی ہوئی بھیڑ کو چیرتا ہوا قریب پہنچ گیا۔

”چلو۔۔۔۔۔! تم اب تک یہاں ہو۔“ وہ اُسے کھینچتا ہوا آگے بڑھا۔ کتے کے آگے بڑ

ہی بھیڑ پھٹ گئی۔

ان دونوں نے سڑک پار کی۔

”یہ دھکا زندگی بھر یاد رہے گا۔“ فریدی بڑبڑایا۔

”کیوں۔۔۔۔۔؟“ حمید احمقوں کی طرح بولا۔

”وہ نکل گیا۔“

”ہائیں۔۔۔۔۔!“ حمید اچھل کر بولا۔ ”اُف فوہ۔۔۔۔۔ تب تو پھر وہی رہا ہوگا۔“

”کون۔۔۔۔۔؟“

”ابھی ابھی یہ ایک آدمی پر جھپٹا تھا۔“

”اور تم نے اُسے نکل جانے دیا۔“

”میں کیا جانتا تھا۔“

”ارے او احمق۔۔۔۔۔ اس سے پہلے کبھی وہ کسی پر جھپٹا تھا۔۔۔۔۔؟ بولو۔۔۔۔۔ کیا ہم اُسے زنجیر کے

بغیر یہاں تک نہیں لائے تھے۔“

”اوہ۔۔۔۔۔ تب تو وہ اس گلی میں گیا تھا۔“ حمید نے گلی کی طرف اشارہ کیا۔

کتا اب بھی اُسی طرف جانے کے لئے زور کر رہا تھا۔ حمید نے زنجیر ڈھیلی چھوڑ دی اور کتے کے ساتھ ساتھ چلے لگا۔ وہ اسی گلی میں گھسا۔۔۔۔۔ اور زمین سوگھ سوگھ کر آگے بڑھنے لگا۔ گلی کا اختتام ایک دوسری چوڑی سڑک پر ہوا تھا یہاں کتا دائیں طرف کچھ دور چل کر رک گیا۔ وہ بار بار زمین سوگھتا اور پھر چاروں طرف دیکھنے لگتا۔ ایک بار اس نے آسمان کی طرف منہ اٹھا کر رونے کی سی آواز نکالی اور پچھلی ٹانگوں پر وہیں بیٹھ گیا۔

فریدی ایک طویل سانس لے کر حمید کی طرف مڑا۔

”بیکار ہے۔“ اُس نے آہستہ سے کہا۔ ”یہاں سے وہ کسی سواری پر گیا ہے آؤ واپس

چلیں۔ خدا کی قسم یہ لوگ انتہائی چالاک ہیں۔“

”لیکن وہ نکل کیسے گیا۔“ حمید نے پوچھا۔ اس پر فریدی نے پورا واقعہ دہرایا۔

حمید اپنی گدی سہلانے لگا۔ اس نے سوچا اگر فریدی کو وہ یہ بتائے دیتا ہے کہ وہ اس لڑکی کو پہچان گیا تھا تو شامت ہی آ جاتی۔ وہ جانتا تھا کہ فریدی سے باتوں میں جیتنا بھی آسان نہیں۔۔۔۔۔ بہر حال اُس نے اس لڑکی کے متعلق کچھ بھی نہیں کہا۔



اسی شام کی بات ہے فریدی اور حمید ہوٹل ڈی فرانس میں چائے پی رہے تھے۔ فریدی کو

اس سے شادی کی کوشش کیجئے۔ افریقہ اور ہندوستان کا بیوند..... بچوں کے نام ہوں گے..... ٹیٹو فریدی..... کھٹ کھٹ فریدی..... چرغل فریدی وغیرہ وغیرہ۔!“

فریدی کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد حمید پر بھی سنجیدگی طاری ہو گئی۔ اس نے پوچھا۔ ”آخر یہ نور جہاں کا قصہ کیا ہے۔“

”ہوگا کچھ..... مجھے اس سے دلچسپی نہیں۔ مجھے دو آدمیوں کے قاتل یا قاتلوں کی تلاش ہے۔“

”لیکن آپ نور جہاں والے معاملے میں کچھ جانتے ضرور ہیں۔“

”ہو سکتا ہے۔“ فریدی نے کہا اور آگے کی طرف جھک کر سگار سلگانے لگا۔

بیرونی دروازے سے فوزیہ کا جشی ملازم اندر داخل ہوا اور انہیں گھورتا ہوا اوپری منزل کے زینوں پر چڑھنے لگا۔

”اوہ..... یہ باہر سے آرہا ہے۔“ حمید نے کہا۔

”ہاں..... میں نے ان پر سے پابندی ہٹائی۔“ فریدی اٹھتا ہوا بولا۔

”آؤ.....!“

”آؤ اور جاؤ.....!“ حمید نے بھی اٹھتے ہوئے کہا۔ ”اس کے علاوہ اور رہ کیا گیا ہے۔“

لوٹیاں الگ الگ ہوتی ہیں۔“

”کیا بک رہے ہو..... اب اگر تم نے اس واقعے کا نام لیا تو گلا گھونٹ دوں گا۔“

”چلے یہی سہی..... یہیں نام لوں یا گھر چل کر۔“

وہ دونوں کمپاؤنڈ میں نکل آئے۔ رات بڑی خوشگوار تھی۔ فریدی چند لمحے کھڑا ادھر ادھر دیکھتا رہا پھر کیڈ لاک کی طرف بڑھا۔

وہ اگلی کھڑکی کے پینڈل پر ہاتھ رکھ کر اُسے گھمانے ہی جا رہا تھا کہ حمید نے اُسے اچھل کر پیچھے ہٹتے دیکھا۔

”مارچ ہے۔“ اس نے مڑ کر حمید سے پوچھا۔

”کیا بات ہے۔“ حمید آگے بڑھ کر بولا۔

ہوٹلوں کی تفریح سے دلچسپی نہیں تھی لیکن جب سے عدنان والا کیس ہوا تھا وہ کم از کم دن میں ایک چکر ہوٹل ڈی فرانس کا ضرور لگا لیتا تھا۔ اُسے عدنان کے پرائیویٹ سیکریٹری ڈیگال پر بھی شبہ تھا اور اُس نے اس موضوع پر حمید سے تھوڑی بحث بھی کی تھی۔ وہ کھلم کھلا یہ تو نہیں کہتا تھا کہ عدنان کے قتل میں ڈیگال کا ہاتھ ہے لیکن بہر حال..... اس کی شخصیت بھی پراسرار معلوم ہوتی تھی اور وہ ابھی تک اس کا فیصلہ نہ کر پایا تھا کہ ڈیگال کے جرم کی کیا نوعیت ہو سکتی ہے۔

”میں تو اب تنگ آ گیا ہوں۔“ حمید بڑبڑایا۔

”تم تنگ کب نہیں آتے۔“ فریدی برا سا منہ بنا کر بولا۔ ”جہاں ذرا سا کام کرنا پڑا تمہاری جان نکلنے لگی۔“

”بیہات..... بیہات.....!“ حمید نے گلوگیر آواز میں کہا۔ ”ایک لونڈیا..... ایشیا کے ایک عظیم سراغ رساں کو چوٹ دے گی۔ پتہ نہیں اُس قتلہ عالم کا کیا نام ہے..... اگر افریقی ہی ہے تو گا زانی ہی کی طرح اس کا بھی نام ہوگا..... شکیانا..... جیس چر..... یا پھر..... پونٹل..... لاجول بولا۔“

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ حمید کی بکواس پر مسکرایا تک نہیں۔ تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔

”تم فوزیہ سے دوستی بڑھاؤ۔“

”کسی بھجورے سے پریم نہ کرلوں۔“ حمید جل کر بولا۔

”تم سمجھ نہیں۔“

”میں سب کچھ سمجھ گیا ہوں ویسے اگر آپ کہیں تو میں بر خوردار بغرا خاں کے لئے پیغام دے سکتا ہوں۔“

”تم اس بکرے کو ہٹاؤ گھر سے ورنہ میں گولی مار دوں گا۔“

”ہرن تصور کر کے ماریے گا۔ اس طرح شکار کا بھی شوق پورا ہو جائے گا۔ مگر کمال ہے۔“

”یسا چونا لگایا لونڈیا نے..... ہاہا.....!“

”بکومت.....!“ فریدی جھنجھلا گیا۔

”بڑی ذہین لڑکی ہے۔ اگر آپ اپنی نسل میں ذہانت کے جراثیم برقرار رکھنا چاہتے ہیں تو

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس نے جیب سے سگار لائٹر نکال کر جلایا اور کار کے اندر دیکھنے لگا۔

”بہت اچھے۔“ حمید نے سگار لائٹر کی مدہم روشنی میں فریدی کے چہرے پر عجیب قسم کی روشنی دیکھی اور پھر جب اس کی نظر اگلی سیٹ پر پڑی تو اس کے اوسان خطا ہو گئے۔ ایک بڑا ساپ اگلی سیٹ پر ریگ رہا تھا۔ پھر اچانک پچھلی سیٹ پر بھی اُسے کوئی سیاہی چیز حرکت کرنے ہوئے نظر آئی۔

”غلّ جانے کی ضرورت نہیں۔“ فریدی آہستہ سے بولا۔ ”اب ہمارے پاس کل کتے ساپ ہوئے۔“

حمید کی کھوپڑی ہٹک سے اڑ گئی۔ وہ سوچنے لگا کہیں اس آدمی کا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا۔ اگر ابھی بیٹھ گئے ہوتے تو کیا حشر ہوتا۔ فریدی سگار لائٹر جلائے ہوئے بڑی دلچسپی سے ساپوں کو دیکھ رہا تھا۔ وہ حمید کی طرف مڑ کر بولا۔

”مائی ڈیئر... بلیک مومبا!“

”آپ ہوش میں ہیں یا نہیں۔“ حمید جھلا کر بولا۔

”اس قسم کا ساپ صرف افریقہ میں پایا جاتا ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”بلیک مومبا کہلاتا ہے۔ ساپوں کی نسل میں اس سے شریر ساپ اور کوئی نہیں ہوتا۔ یہ جان بوجھ کر صرف آدمیوں پر حملہ کرتا ہے۔“

”تو آپ اس کی نسل پر لیکچر دیں گے۔“ حمید اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر بولا۔

”فرزند ایک شاندار اضافہ... میرے پاس اس نسل کا کوئی ساپ نہیں تھا۔“

”لیکن یہ ایک ہندوستانی کار میں کہاں سے آچکا۔“ حمید نے پیشانی پر ہاتھ مار کر کہا۔

”اوہو... اس پر پھر غور کریں گے۔ فی الحال انہیں پکڑنے کا مسئلہ ہے۔“

”کیا...!“ حمید حلق چھاڑ کر چیخا۔

”ایک کو تم پکڑو اور دوسرے کو میں۔“

”سنئے جناب میرے باپ دادا سپرے نہیں تھے... اور...!“

”چپ چپ... شور نہیں... تم سگار لائٹر پکڑو۔“

حمید حیرت سے فریدی کو دیکھ رہا تھا۔ کیا یہ وہی فریدی تھا۔ سنجیدہ اور باوقار فریدی... ہرگز نہیں... اس وقت تو وہ شوخ اور کھلنڈر بچہ معلوم ہو رہا تھا۔ ایک ایسا بچہ جو گھاس پر بیٹھی ہوئی کسی بڑی کو پکڑنے جا رہا ہو۔

حمید نے سگار لائٹر پکڑ لیا۔ ساپ اب سیٹ سے نیچے اتر گیا تھا۔ فریدی نے ہینڈل گھا کر کھڑکی میں ذرا سی دراز کی... ساپ باہر کا راستہ دیکھ کر اس کی طرف لپکا لیکن صرف اس کا سر ہی باہر نکل سکا... کیونکہ فریدی نے کھڑکی کا پاٹ تھوڑا سا دبا دیا تھا۔ اب اس نے چنگلی سے سر کا نیچے کا حصہ پکڑ لیا۔ ساپ کا منہ پھیل گیا۔

”ارے کیا کر رہے ہیں آپ...!“ حمید دانت پیش کر بولا۔

فریدی کوئی جواب دیئے بغیر ساپ کو آہستہ آہستہ باہر کی طرف کھینچ رہا تھا۔

”ہاتھ میں لپٹ جائے گا۔“ حمید بے چینی سے بولا۔

”بس دیکھتے رہو۔ اس میں اتنی سکت ہی نہ رہ جائے گی۔ یہ بھی ایک آرٹ ہے فرزند۔“

وہ رگ دبائی ہے کہ کچھوے کی طرح جھولتا رہ جائے گا۔“

فریدی نے ایک جھٹکے کے ساتھ ساپ کا بقیہ حصہ باہر کھینچ لیا اور اُسے حمید کے چہرے کے برابر اٹھاتا ہوا بولا۔ ”دیکھو... ہے نا کچھو... یہ نہ سمجھنا کہ مر گیا ہے ابھی زمین پر چھوڑ دوں تو مجھے تخت الٹری میں بھی نہ چھوڑے... شابش... اب تم اسی طرح دوسرے کو پکڑ لو۔“

”کیا...؟ آپ ہوش میں ہیں یا نہیں۔“

”افسوس کہ میں ساپ دیکھ لینے کے بعد ہوش میں نہیں رہتا۔“ فریدی نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہا۔ ”اچھا اسٹپنی کھولو۔“

حمید نے اسٹپنی کھولی اور فریدی نے ساپ کو اس میں ڈال دیا۔ اسٹپنی بند کر کے وہ پچھلی سیٹ کی طرف آئے۔

”اچھا اب میں اسے پکڑتا ہوں....“ فریدی نے انگریزی میں کہا اور زمین پر بیٹھ کر آہستہ سے بولا۔ ”تم سگار لائٹر کو اسی طرح اٹھائے رہو۔ اب میں تمہیں ایک دوسرا کرتہ دکھاؤں گا.... میری واپسی تک اسی طرح لائٹر اٹھائے ہوئے کچھ اوٹ پٹانگ بڑبڑاتے رہنا۔ اچھا.... شب بخیر فرزند۔“

وہ حمید کو متحیر چھوڑ کر ایک طرف تاریکی میں ریگ گیا۔

کپاؤنڈ کا یہ حصہ ہوٹل کی عمارت سے کافی دور تھا اور یہاں قرب و جوار میں تاریکی تھی۔

دشمنوں میں

حمید کی سمجھ میں خاک بھی نہ آیا۔ اول تو کسی سانپ کا اس طرح پکڑنا ہی پاگل پن سے کچھ کم نہیں تھا۔ دوسرا یونہی بلاوجہ کچھ بے تکلی باتیں کر کے سینے کے بل ریگلتے ہوئے اندھیرے میں غائب ہو جانا بھی صحیح الدماغی کی علامت نہیں تھی۔

لیکن یہ حرکتیں فریدی سے سرزد ہوئی تھیں۔ اس لئے حمید اسے محض مذاق سمجھنے کے لئے بھی تیار نہیں تھا۔

حمید انتظار کرتا رہا۔ اور اس اثناء میں سگار لائٹر کی اسپرٹ بھی ختم ہو گئی۔ اندھیرا ہو گیا اس کے بعد حمید دیا سلاٹیاں جلاتا رہا۔ ایک سانپ ابھی تک آزاد تھا.... اور وہ اس نسل کے سانپ کی خصوصیات تھوڑی دیر قبل ہی سن چکا تھا۔ پتہ نہیں فریدی کب تک واپس آئے اور وہ کیڑی کے پاس سے ہٹنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ مگر وہ سانپ جواب بھی پچھلی نشست کے نیچے ریگ رہا تھا حمید نے سوچا کہ کیوں نہ اسے اسی طرح مار ہی ڈالے جس طرح فریدی نے اگلی سیٹ والا سانپ پکڑا تھا۔ مگر یہ کام اس اکیلے کے بس کا روگ نہیں تھا اور وہ ہوٹل سے بھی کسی کو نہیں بل سکتا تھا کیونکہ اگر فریدی اسے پسند کرتا تو پہلے ہی اس نے کسی اور کو بھی مدد کے لئے بلالیا ہوتا۔

پھر اس نے سوچا کہ کھڑکی کھول کر اسے اندر ہی سے نکال دے لیکن اسے اس کی خصوصیات یاد آ گئیں۔ فریدی نے کہا تھا کہ وہ جان بوجھ کر آدمیوں پر حملہ کرتا ہے۔ دھتکا نہ جانے کدھر سے ایونٹک ان پیرس کی خوشبو کی ایک لپٹ آئی اور حمید نتھنے سکڑ کر اندھیرے میں گھورنے لگا۔

”آر تھر ڈارلنگ....!“ کسی عورت کی سرگوشی سنائی دی۔ وہ چونک کر مڑا۔ اس سے شاید تین فٹ کے فاصلے پر کوئی عورت کھڑی تھی۔

حمید سب کچھ بھول گیا۔ آواز میں بڑی دل کش کھنک تھی بڑی سکس اپیل تھی۔

”ڈیئر سٹ.... میں تیار ہوں۔“ عورت نے آہستہ سے کہا۔

”اچھا....!“ حمید گھٹی گھٹی سی آواز میں تھوک نکل کر بولا۔

عورت اور قریب آ گئی۔ اتنی قریب کہ اس کے اور حمید کے چہرے میں شاید ایک بالشت کا فاصلہ رہ گیا.... اور پھر حمید نے ایک بہت ہی تیز قسم کی بو محسوس کی جو ایونٹک ان پیرس کی خوشبو پر بھی غالب آ گئی تھی۔ اس کے نتھنوں میں جلن ہونے لگی۔ وہ لڑکھڑا کر ایک قدم پیچھے ہٹا.... اور پھر اسے ایسا محسوس ہوا کہ جیسے وہ عورت اسے اپنے بازوؤں میں لے کر آسمان کی طرف پرواز کر رہی ہو۔ چاروں طرف تاریکی ہی تاریکی تھی۔

اور جب تاریکی دور ہوئی تو حمید نے خود کو ایک کمرے میں پایا۔ شاید وہ دو گھنٹے تک بیہوش رہا تھا۔ اس نے پھر آنکھیں بند کر لیں۔ کمرے کی روشنی اس کے سر کے اندر سنسنی پیدا کر رہی تھی۔

کچھ دیر بعد اسے ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھ دیا ہو۔ اس کے ذہن میں پھر ایونٹک ان پیرس کی خوشبو جاگ اٹھی اور اس نے آنکھیں کھول دیں۔

اس کے سامنے وہی لڑکی کھڑی تھی جسے اس نے لوزانا کے ساتھ دیکھا تھا۔ حمید اچھل کر بیٹھ گیا۔ لڑکی بڑے دل آویز انداز میں مسکرا رہی تھی۔

”تم شاید مجھے پہچانتے ہو۔“ لڑکی تھوڑی دیر بعد انگریزی میں بولی۔

حمید کچھ نہ بولا۔ اس نے اپنی آنکھیں کچھ نشلی سی بنالیں۔ لڑکی اُسے دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔
 ”شاید....!“ حمید نے آہستہ سے کہا۔ ”میں نے تمہیں مصر میں دیکھا تھا.... اب سے ایک ہزار سال پہلے۔“

”اور تم تب بکروں کے بجائے گدھے پالتے تھے۔“

”میں اس مذاق کو نہیں سمجھا....“ حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ اس کی آواز خوابناک اور بھرائی ہوئی تھی۔ پھر دفعتاً وہ چونک کر ادھر ادھر دیکھتا ہوا بولا۔ ”میں کہاں ہوں۔“

اور وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ پھر اس نے ڈری ڈری سی چیخ ماری اور لڑکی سے لپٹ گیا۔

”ارے.... ارے....!“ وہ اُسے دھکیل کر پیچھے ہٹ گئی۔

”بچاؤ....!“ حمید پھر جھپٹا.... لڑکی بوکھلا گئی تھی۔ اُس نے اسے روکنے کے لئے اپنے

دونوں ہاتھ آگے کی طرف پھیلا دیئے۔

”سانپ.... سانپ....!“ حمید کمرے میں چاروں طرف ناچنے لگا۔ وہ ڈری ڈری سی

آواز میں ”سانپ سانپ“ کہتا ہوا پھر لڑکی کی طرف بڑھا۔

”خاموش رہو۔“ دفعتاً لڑکی نے اپنے بلاؤز کے گریبان سے ایک چھوٹا سا آٹو میٹک

پستول نکالتے ہوئے کہا۔ حمید جہاں تھا وہیں رک گیا۔ پھر اس نے اپنی آنکھیں مل مل کر چاروں طرف دیکھنا شروع کر دیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کوئی ڈراؤنا خواب دیکھ کر سوتے سوتے جاگا ہو۔

”تم کون ہو....!“ اس نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

”تم مکار ہو....!“ لڑکی اپنا اوپری ہونٹ بھیجنے لگی۔

”افسوس تم بھی یہی کہہ رہی ہو۔ آج تک کسی نے میری روح میں جھانکنے کی کوشش نہیں کی۔“

”بکواس بند کرو۔“ لڑکی جھنجھلا کر بولی۔ ”تم یہاں فلٹ کرنے کیلئے نہیں لائے گئے۔“

”پھر....!“ حمید یک یک سنجیدہ ہو گیا۔

”نور جہاں کے متعلق تم کیا جانتے ہو۔“

”میں ساری دنیا کے متعلق صرف ایک بات جانتا ہوں۔“

لڑکی کچھ نہ بولی۔ لیکن اس کی نظریں سوالیہ انداز میں حمید کی طرف اٹھی ہوئی تھیں اور حمید نے جیسے تہیہ کر لیا تھا کہ آگے کچھ نہ کہے گا۔ لڑکی چند لمحوں کے اندر ہی پھر تھکمانہ لہجے میں بولی۔ ”بیٹھ جاؤ۔“

”مگر میں ٹھلٹھا چاہتا ہوں۔“ حمید لاپرواہی سے بولا۔ ”پستول رکھ لو اس کی ضرورت نہیں۔“

تم مجھے پسند آئی ہو۔ اس لئے میرے بھاگنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔“

وہ چند لمحوں خاموش رہ کر پھر بولا۔ ”میں اور میرا چیف مداری ہیں۔ تمہارے بلیک مومبا کا

ایک حشر ہوا؟ شاید تم نے دیکھا ہو۔“

”لیکن وہ کہاں غائب ہو گیا....؟“

”ڈر کر بھاگ گیا ہوگا.... وہ خوبصورت لڑکیوں سے بہت ڈرتا ہے۔“

”ڈیگال نے تمہیں عدنان کی موت کے متعلق کیا بتایا ہے۔“

”ہائیں تو کیا عدنان مر گیا.... مجھے تو ڈیگال نے بتایا تھا کہ وہ احرام مصر کی زیارت کرنے

لیا ہے۔“

لڑکی اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے حمید کو گھور رہی تھی۔

”تم نہیں بتاؤ گے۔“ وہ تھوڑی دیر بعد بولی۔

”سنو.... ہنی.... کبھی تم نے کسی سے محبت بھی کی ہے۔“

وہ مکانات کر حمید کی طرف جھپٹی۔

”بیلا....!“ عقبی دروازے کی طرف سے آواز آئی۔ حمید چونک پڑا۔ لڑکی بھی جہاں تھی

وہاں رک گئی۔ دروازے میں وہی طویل القامت اندھا کھڑا تھا جسے حمید نے نائٹ کلب میں

دیکھا تھا۔

”کیا بات ہے؟“ وہ ایک قدم آگے بڑھ کر بولا۔

”بیلا....!“ حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ”کتنا پیارا نام ہے۔“

”آں....!“ اندھا چونک پڑا۔ ”یہاں اور کون ہے؟“

”جاسوس....!“ بیلا نے کہا۔ ”ان میں سے ایک ہمارے ہاتھ آ گیا ہے۔“

”خوب.... لیکن کیوں....؟“

”یہ معلوم کرنے کے لئے کہ یہ نور جہاں کے متعلق کیا جانتے ہیں۔“

”کیا تمہیں ڈیگال کی بات پر یقین آ گیا تھا۔“ اندھے نے مسکرا کر پوچھا۔

”مجھے یقین ہے کہ یہ ضرور کچھ جانتے ہیں۔“

”دوسرا کہاں ہے۔“

”وہ نکل گیا۔“

”ہوں....!“ اندھا جھنجھلا گیا۔ ”لیکن میرے کہنے پر عمل کیوں نہیں کیا گیا۔“

”عظیم لوزاٹا“ بیلا لرزتی ہوئی بولی۔ ”تیرے حکم سے سر تابی ناممکن ہے۔ ہم نے تو کہنے پر عمل کیا تھا لیکن انہوں نے ان کو بچوں کا کھیل بنا ڈالا۔“

”اوہو....!“

کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر اندھے نے کہا۔ ”کیا یہ فریدی ہے؟“

”نہیں.... وہ نکل گیا۔“ بیلا نے کہا۔

”اوہ....!“ اندھے کی پیشانی پر سلوٹس پڑ گئیں۔ ”کیا سب لوگ یہاں موجود ہیں۔“

”املیگاس کے علاوہ اور سب ہیں۔“ بیلا نے کہا۔

”وہ کہاں ہے!“

”دوسرے کو تلاش کر رہا ہوگا۔“

”ہوں....!“ لوزاٹا کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”تم نے اس سے کیا معلوم کیا۔“

”کچھ نہیں....! یہ تو باتوں میں ٹال رہا ہے۔“

”تمہیں بولنے پر مجبور ہونا پڑے گا۔“ لوزاٹا نے حمید سے کہا۔

”میں بڑی دیر سے بول رہا ہوں۔“ حمید نے کہا اور بیلا کو آنکھ مار کر مسکرانے لگا۔

نے بوکھلا کر لوزاٹا کی طرف دیکھا اور پھر سر جھکا لیا۔

”نور جہاں کے متعلق کیا جانتے ہو؟“

”اگر تم ایک بار مجھے اس کی شکل دکھا دو تو اس کے باپ دادا کا نام بتا دوں گا۔“

”بیلا مجھے یقین ہے کہ یہ کچھ نہیں جانتا۔“ لوزاٹا نے کہا۔ ”تو نے اسے یہاں لا کر غلطی کی۔ یہاں لاشوں کو ٹھکانے لگانے میں بڑی دشواریاں پیش آتی ہیں۔“

حمید سناٹے میں آ گیا.... اور سناٹے میں آنے کے بعد وہ ہمیشہ ہنگامہ پسند کرتا تھا۔ وہ کچھ کر بیٹھنے کے امکانات پر غور کر رہا تھا کہ ایک آدمی بوکھلایا ہوا کمرے میں گھسا۔ اس کے سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی، چہرے پر کئی خراشیں تھیں جن سے خون نکل کر جم گیا تھا۔

بیلا حیرت سے اُسے دیکھنے لگی۔

”کون ہے....؟“ لوزاٹا ایک بیک چونک کر بولا۔

”املیگاس....!“ بیلا آہستہ سے بڑبڑائی۔

”املیگاس....!“ لوزاٹا کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں اور پھر اس نے اس طرح نتھنے سکڑے جیسے کچھ سوچنے کی کوشش کر رہا ہو۔

اس نے کسی غیر ملکی زبان میں بیلا سے کچھ کہا اور وہ کمرے سے چلی گئی۔

”املیگاس....!“ اس نے نوارڈ سے انگریزی میں کہا۔ ”کیا خبر ہے۔“

”بہت سخت لڑائی ہوئی۔“ املیگاس کراہ کر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ”وہ اس سے واقف تھا کہ میں اس کا تعاقب کر رہا ہوں۔“

”پھر کیا ہوا.... املیگاس....!“

”پھر اس خیال سے مجھے جان بچا کر بھاگنا پڑا کہ کہیں گرفتار نہ ہو جاؤں۔“

”تم نے اچھا کیا املیگاس....!“

بیلا پھر واپس آ گئی۔

”بیلا....!“ لوزاٹا نے اُسے مخاطب کیا۔ ”کیا املیگاس بہت زیادہ زخمی ہے۔“

”شاید.....!“ بیلا املیگاس کو گھورتی ہوئی بولی۔

”لیکن املیگاس ایک بات نہیں جانتا۔“ لوزانا نے زہر خند کے ساتھ کہا۔ ”وہ نہیں جانتا کہ لوزانا سر سے پیر تک آنکھ ہی آنکھ ہے اور اس کی ناک کتے کی ناک سے بہت زیادہ تیز ہے۔“ املیگاس کی شکل آنکھ والوں کو دھوکا دے سکتی ہے اندھیرے کے شہنشاہ کو نہیں۔“ پھر دفعتاً اُس نے چیخ کر کہا۔ ”اس جاسوس کو پکڑ لو۔“

املیگاس اچھل کر دروازے کے قریب چلا گیا۔ لیکن پھر اُسے ایک قدم آگے بڑھنا پڑا۔ کیونکہ ایک ریوالور کی نال اس کی پیٹھ میں چھ رہی تھی۔

”اُسے میرے قریب لاؤ۔“

ریوالور کی نال اور شدت سے املیگاس کی پیٹھ میں چبھنے لگی۔ وہ ایک قدم اور آگے بڑھا اور پھر رک گیا۔ حمید اور وہ ایک دوسرے کو گھور رہے تھے۔ آخر املیگاس نے مسکرا کر اردو میں کہا۔ ”میرے پھنے فرزند.....!“

”ہائیں.....!“ حمید اچھل پڑا۔ آواز فریدی کی تھی۔

لوزانا نے قہقہہ لگایا۔ حمید گھبرا کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ کمرے میں تین دروازے تھے اور ہر دروازے میں ایک آدمی ریوالور لئے کھڑا تھا۔

”لاؤن.....!“ لوزانا چیخا۔ ”اُسے میرے قریب لاؤ۔“

”ظہرو.....!“ فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”کیا تم مجھے عدنان سمجھتے ہو۔“

”اس سے بھی کمتر.....!“ لوزانا نے مسکرا کر کہا۔

”اچھا تو چلو کوشش کرو۔“ فریدی لاپرواہی سے بولا۔ ”شاید ایسی گردن تمہیں پہلے خواب میں بھی نصیب نہ ہوئی ہو۔“

فریدی خود ہی اس کی طرف بڑھنے لگا۔ حمید نے سوچا کہ اب کچھ نہ کچھ ہو کر ہی رہے گا۔ اس نے جھپٹ کر بیلا کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے اور انہیں اپنی گردن کی طرف کھینچتا ہوا بولا۔

”چلو تم میرا گلا گھونٹ دو..... میں تو اس بد صورت اندھے کے ہاتھوں مرنا پسند نہیں کروں گا۔“

بیلا ہاتھ چھڑانے لگی اور پھر اچانک حمید نے اس کی گردن دبوچ لی اور چیخ کر بولا۔

”لوزانا..... میں اس لڑکی کا گلا گھونٹنے جا رہا ہوں۔“

”چھوڑ دو..... چھوڑ دو.....!“ تینوں مسلح آدمی بیک وقت چیخے۔

فریدی کی طرف بڑھے ہوئے لوزانا کے ہاتھ نیچے جھول گئے۔ بیلا بڑی طرح مچل رہی تھی اور اس کے منہ سے گالیوں کا فوارہ جاری تھا۔

”میں بھی مرجاؤں گا۔ تم بھی مرجاؤ گی۔“ حمید ناک کے بل گنگنایا۔ ”پھر میں عالم ارواح میں تم سے کہوں گا آمری جان مرے پاس درتچے کی قریب۔“

دفعتاً فریدی نے اچھل کر لوزانا کے پیٹ میں لات ماری اور وہ چیخ کر ڈھیر ہو گیا۔ بیک وقت تین فائر ہوئے لیکن شاید فریدی اس سے قبل ہی لوزانا کے برابر لیٹ گیا تھا۔

حمید سمجھا شاید فریدی رخصت ہو گیا۔ اس لئے اس نے چلتی ہوئی لڑکی کا الوداعی بوسہ لے کر اُسے ایک ریوالور والے کی طرف اچھال دیا۔ وہ دونوں فرش پر آ رہے۔ بیلا بڑے زور سے چیختی پھر دو فائر ہوئے۔

فرش پر فریدی اور لوزانا گتھے ہوئے تھے۔ حمید گرنے والے کے ریوالور پر قبضہ کر چکا تھا۔ لیکن جب اس نے ایک آدمی کا نشانہ لے کر ٹریگر دبایا تو ریوالور پھٹ کر کے رہ گیا۔ وہ خالی تھا۔ گرا ہوا آدمی حمید پر ٹوٹ پڑا۔

بیلا بیہوش پڑی تھی..... اور اب حمید مطمئن تھا۔ اس نے فریدی کو لوزانا سے لپٹے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ بقیہ دو آدمی بے بسی سے انہیں گھور رہے تھے۔ اُن کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کریں۔ اگر وہ فریدی اور حمید پر گولی چلاتے تو لوزانا اور ان کے ایک ساتھی کے زخمی ہو جانے کا بھی احتمال تھا۔

• اچانک ان میں سے ایک نے ہینٹل کا ایک وزنی گلدان اٹھا کر فریدی کے سر پر ضربیں لگانی شروع کر دیں۔ حمید اس آدمی کو چھوڑ کر فریدی کی مدد کو لپکا۔ پھر ایک فائر ہوا۔ اگر حمید پھرتی سے بیٹھ نہ گیا ہوتا تو گولی اس کے سر سے گذر گئی ہوتی۔

فریدی تو گلدان کی ضربوں سے بیہوش ہو ہی چکا تھا۔ اس کے بعد حمید کی خاصی مرمت ہو گئی۔

”اتنا ہی کافی ہے۔“ لوزانا نے ہانپتے ہوئے کہا۔ جان سے مت مارو۔ ابھی ہمیں دیکھنا ہے کہیں عمارت کے گرد پولیس کا گھیراؤ نہ ہو۔ انہیں کہیں بند کر دو۔ ان کے ساتھ تین لاشیں اور ہوں گی۔



فریدی کو ہوش آیا تو اس نے محسوس کیا کہ اس کے ہاتھ اور پیر بندھے ہوئے ہیں۔ کمرہ تاریک نہیں تھا۔ اسے اپنے قریب ہی ڈیگال، لیوکاس اور فوزیہ بھی نظر آئے۔ ان کے ہاتھ پیر بھی اسی طرح بندھے ہوئے تھے۔ حمید ذرا فاصلے پر تھا اور اُسے بھی ہوش آ چکا تھا۔

”ڈیگال! یہ سب محض تمہاری وجہ سے ہوا۔“ فریدی نے اُسے مخاطب کیا۔

”املیگاس! تم اس حال میں کیوں نظر آرہے ہو۔“ ڈیگال نے حیرت سے پوچھا۔

”میں فریدی ہوں۔“

ڈیگال اور اس کے ساتھی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر فریدی کو گھورنے لگے۔

”میں کہہ رہا تھا۔“ فریدی بولا۔ ”کہ یہ سب کچھ محض تمہاری وجہ سے ہوا۔ اگر تم مجھے پہلے ہی لوزانا کی قیام گاہ کا پتہ بتا دیتے تو یہ کبھی نہ ہوتا۔“

”میں نہیں جانتا تھا۔“

”تم کہتے ہو۔۔۔ تم نور جہاں کے لئے لوزانا سے سودا کر رہے تھے تم نے لوزانا کو دھمکی دی تھی کہ اگر اس نے تمہیں ایک بھاری رقم نہ دی تو تم پولیس کو نور جہاں کے متعلق بتا دو گے۔ اور اپنی حفاظت کے لئے تم نے یہ شوشہ بھی چھوڑا تھا کہ دوسرا خرساں بھی نور جہاں کے متعلق پہلے ہی سے کچھ جانتے ہیں کیوں۔۔۔ کیا خیال ہے۔“

”یہ جھوٹ ہے۔“ ڈیگال بڑبڑایا۔

”اگر یہ جھوٹ ہے تو پھر تم تینوں آج ہی یہاں کیوں نظر آرہے ہو۔ پہلے ہی اس حال کو کیوں نہیں پہنچے۔ لوزانا کی دانست میں صرف ہم پانچ ہی نور جہاں کے راز سے واقف ہیں۔“

”شاید تھوڑی دیر بعد موت کے گھاٹ اتار دیئے جائیں گے۔“

”ڈیگال! تم۔۔۔!“ فوزیہ بڑبڑائی۔

”بے بی۔۔۔ یہ جھوٹ ہے۔“

”فریدی کبھی لایعنی گفتگو نہیں کرتا۔“ فریدی نے کہا۔

”آپ یہاں پہنچے کس طرح تھے۔“ حمید نے پوچھا۔

”لمبی کہانی ہے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”سب سے پہلے ہمیں یہ سوچنا چاہئے کہ ہم کس طرح یہاں پہنچے۔“

کوئی کچھ نہ بولا۔ فریدی چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ کمرہ زیادہ کشادہ نہیں تھا۔ کمرے کے بجائے اُسے کوٹھڑی ہی کہنا مناسب ہوگا۔ اس میں صرف ایک دروازہ تھا اور کھڑکیاں نہیں تھیں۔ چھت سے ایک چالیں پاور کا بلب لٹکا ہوا تھا۔

”میرا خیال ہے کہ لوزانا کو املیگاس کی بھی فکر ہوگی۔“ فریدی نے حمید سے کہا۔ ”شاید مجھ سے پوچھے۔۔۔ بس یہی ایک موقع میرے ہاتھ آ سکتا ہے۔۔۔ ورنہ۔“

”املیگاس کہاں ہے؟“ حمید نے پوچھا۔

”میری قید میں۔“

فوزیہ ڈیگال کو بُرا بھلا کہہ رہی تھی اور ڈیگال خاموش تھا۔

”آخروہ اندھا آپ کو پہچان کیسے گیا۔ مجھے سخت حیرت ہے۔“ حمید نے کہا۔

”میں اس کی غیر معمولی قوتوں کا معترف ہوں۔ وہ کسی شکاری کتے کی طرح اپنے دمیوں کی بو پہچانتا ہے۔ آنکھوں سے محروم ہو جانے پر بعض لوگوں میں بے پناہ قوتیں عود کر آتی ہیں۔“

”کسی کو آپ کے یہاں آنے کا علم ہے کہ نہیں۔“ حمید نے پوچھا۔

”کسی کو بھی نہیں.... اس آدمی اسیلگا س سے مجھے یہاں کا پتہ معلوم ہوا تھا۔ چونکہ یقین نہیں تھا اس لئے میں نے پہلے تنہا ہی اطمینان کر لینا مناسب سمجھا۔“

”اب زندگی بھر اطمینان کرتے رہئے۔“ حمید برا سامنے بنا کر بولا۔ ”آئی۔ جی صاحب بالکل ٹھیک کہتے ہیں کہ آپ کریک ہیں.... یہ ضروری نہیں کہ ہر بار ہم بال بال فح جائیں۔“

”نہ بھی بچیں تو کیا فرق پڑے گا۔“

”آپ کے کتے یتیم ہو جائیں گے۔“

اچانک دروازہ کھلا اور دو آدمی اندر داخل ہوئے۔ وہ چند لمحے اپنے قیدیوں کو گھور رہے پھر وہ فریدی کے قریب آئے اور اُسے اٹھانا چاہا۔

”دو آدمی اور لاؤ۔“ فریدی ہنس کر بولا۔

دونوں نے اپنا انتہائی زور صرف کر دیا لیکن فریدی نے اپنی جگہ سے جنبش بھی نہ کی۔ آدھلا کر ایک نے اس کے منہ پر تھپڑ مار دیا۔ فریدی نے جھلاہٹ میں کہنیاں ٹیک کر اٹھنے کی کوشش کی اور پھر اسے ایسا محسوس ہوا جیسے پشت پر بندھے ہوئے ہاتھوں کی رسی کا ایک ٹکڑا ڈھیلا ہو گیا ہو۔ وہ اٹھنے کی کوشش ترک کر کے چت لیٹ گیا۔ پاس کھڑے ہوئے آدمی نے اسے ٹھوک ماری جسے اس نے اپنے جوتوں کے تلوؤں پر روک لیا۔ وہ ٹھوکریں مارتا رہا اور فریدی کا شغل بھی جاری رہا۔ اس کی ایک ٹھوک بھی اس کے جسم پر نہیں پڑی اس دوران میں اس کے دونوں ہاتھ آزاد ہو گئے تھے۔ پھر جیسے ہی وہ ٹھوک مارنے کے لئے آگے بڑھا فریدی نے اس کی ٹانگ پکڑ لی۔ جھٹکا لگتے ہی وہ اپنے پیچھے کھڑے ہوئے ساتھی پر گرا.... اور وہ دونوں بیک وقت زمین پر آ رہے۔

دوسرے لمحے میں فریدی ان کے اوپر تھا۔ اس کے پیر اب بھی بندھے ہوئے تھے۔ لیکن وہ تو زندگی اور موت کا سوال تھا۔ اگر اس کے ہاتھ بھی بندھے ہوتے تبھی آخری جدوجہد کا خاتمہ کشت و خون ہی پر ہوتا۔ فریدی کے گھٹنے ایک کی گردن پر تھے اور دوسرے کی گردن پر اس کے ہاتھ تھے اور وہ اپنی پوری قوت صرف کر رہا تھا۔

زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ دوسرے قیدیوں نے فریدی کو الگ ہٹے دیکھا۔ وہ بڑی تیزی سے اپنے پیروں کی رسی کھول رہا تھا۔ دونوں آدمی بے حس و حرکت فرش پر چت پڑے اٹھے۔ کسی کے منہ سے آواز تک نہ نکلی خود حمید بھی فریدی کو ایسی نظروں سے دیکھ رہا تھا جیسے اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ ہو۔

فریدی نے حمید کی رسیاں بھی کھول دیں۔ اب وہ دونوں کی جانب متوجہ ہوا۔ ان کے پاس سے ریوالور برآمد ہوئے۔ ایک اس نے حمید کی طرف اچھال دیا۔

”کیا.... یہ....“ حمید فرش پر پڑے ہوئے آدمیوں کی طرف دیکھ کر ہکھلایا۔

”ہاں.... یہ گا زالی کے پاس پہنچ گئے۔“

”کیا ہمیں نہیں کھولو گے۔“ ڈیگال مردہ سی آواز میں بولا۔

”تم مجرم ہو.... تم سے مراد تم اور لیوکاس۔“ فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔ پھر حمید سے بولا۔ ”لو کی کو کھول دو۔“

حمید اس کی طرف چلا ہی تھا کہ بیلا کمرے میں داخل ہوئی۔ فریدی نے ریوالور کا رخ اس کی طرف کر کے ہونٹوں پر انگلی رکھ لی۔ بس ایسا معلوم ہوا کہ جیسے کسی نے بیلا کی روح قبض کر لی ہو۔ وہ پتھر کے مجسمے کی طرح بے حس و حرکت کھڑی تھی۔

”اسے باندھ لو....!“ فریدی نے حمید سے کہا۔

”ارے ہائے.... ہائے.... اسے تو میں اپنی الم میں چپکاؤں گا۔“ حمید سینے پر ہاتھ مار کر بولا۔

”بدتمیزی نہیں جلدی کرو....!“

حمید نے اس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اسے بھی ڈیگال کے پاس ہی ڈال دیا۔

پھر وہ فوزیہ کی رسیاں کھولنے کے لئے آگے بڑھا۔

”ٹھہرو....!“ فریدی نے کہا۔ ”ابھی رہئے دو.... آؤ میرے ساتھ۔“

انہوں نے کوٹھڑی سے نکل کر دروازہ مقفل کر دیا۔

”اب وہ بالکل تنہا ہو گا۔“ فریدی نے کہا۔

”کیوں...؟“

”جب میں یہاں آیا تھا لوزانا کے علاوہ صرف تین ہی مرد تھے دو کا خاتمہ ہو چکا ہے۔ تیسرا غائبابا ہر کپاؤنڈ میں رکھوالی کر رہا ہوگا۔“

”ہو سکتا ہے کہ اس وقت کچھ باہر رہے ہوں۔“

”اسلیگاس کی دی ہوئی اطلاعات ابھی تک تو ٹھیک ثابت ہوئی ہیں۔“ فریدی نے کہا۔ ”آؤ“

وہ ایک ایک کمرہ دیکھتے پھر رہے تھے۔ آخر ایک کمرے میں لوزانا تنہا مل گیا۔ حالانکہ یہ دونوں دبے پاؤں وہاں تک پہنچے تھے لیکن لوزانا ٹہلتے ٹہلتے اچانک اس طرح رک گیا جیسے اُسے ان کی آہٹ مل گئی ہو۔ وہ دونوں دروازے سے ہٹ کر کھڑکی کے سامنے آ گئے۔ اب انہوں نے لوزانا کو بھی ادھر مڑتے دیکھا۔

”کمال ہے...!“ فریدی آہستہ سے بولا۔

”تم دروازے پر ہی ٹھہرو۔“ فریدی نے حمید سے کہا۔ ”تیسرے آدمی کا خیال رکھنا۔“

جیسے ہی وہ کمرے میں داخل ہوا اس نے لوزانا کے چہرے پر عجیب سی مسکراہٹ دیکھی۔

”اسلیگاس کہاں ہے؟“ اس نے پوچھا۔

”فضول ہے... تھوڑی دیر بعد تم بھی اسی کے پاس ہو گے۔“ فریدی نے کہا۔

”میں...!“ لوزانا نے قہقہہ لگایا۔ ”تم مجھے اتنا مجبور سمجھتے ہو۔“

”میں تمہیں عدنان اور ایک مقامی آدمی کے قتل کے جرم میں گرفتار کرتا ہوں۔“ فریدی آگے بڑھتا ہوا بولا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس کی پیشانی پر ایک ایسا زور دار گھونسا پڑا کہ چھٹی کا دودھ یاد آ گیا۔ ریوالور اس کے ہاتھ سے نکل کر دور جا گرا تھا۔ لوزانا نے ریوالور کی لئے جست لگائی اور فریدی اس خطرناک موقع پر بھی اس کے حقے تلے انداز پر عیش کے بغیر نہ رہ سکا۔ وہ سچا اندھیرے کا شہنشاہ تھا۔ لوزانا کے ساتھ ہی فریدی بھی ریوالور کے لئے جھپٹا تھا لیکن ریوالور اس کے ہاتھ نہ آ سکا۔ ان دونوں میں پھر زور آزمائی ہونے لگی۔ ریوالور

لوزانا کو بھی نڈل سکا۔ فریدی نے ٹھوکر مار کر اسے دور پھینک دیا۔

تھوڑی ہی دیر بعد فریدی پر یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ لوزانا کو اس طرح بھی زیر کرنا آسان کام نہیں تھا۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ وہ یہ محسوس کر رہا تھا کہ لوزانا گتھے رہنے یا اُسے زیر کر لینے سے زیادہ بھاگ جانے کی فکر میں تھا۔ حمید بڑی دلچسپی سے انکی کشمی کا منظر دیکھ رہا تھا۔ اچانک لوزانا نے فریدی کے سر پر ایک زور دار ٹکڑی ماری اور فریدی کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ لوزانا اچھل کر دروازے کی طرف بھاگا۔ فریدی کا سر چکر ا گیا۔ لیکن اب اسے بھی سچا غصہ آ گیا تھا۔ اس نے جھپٹ کر لوزانا کی ٹانگ پکڑ لی اور وہ منہ کے بل اتنے زور سے فرش پر گرا کہ سارا کمرہ جھنجھٹا اٹھا اُس نے اٹھنا چاہا لیکن فریدی اس کی ٹانگ مروڑنے لگا۔ اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو چیخ چیخ پڑتا... کبھی وہ زمین پر ہاتھ ٹیک دیتا اور کبھی اس کے سر کا پچھلا حصہ بھڑ سے زمین پر گرتا۔

”اندھیرے کے شہنشاہ... تمہیں تارے نظر آئے یا ابھی نہیں۔“ فریدی نے قہقہہ لگا کر پوچھا۔

لوزانا کچھ نہ بولا۔ اس کے ہونٹوں اور ناک سے خون بہہ رہا تھا۔

”کیا تمہیں عدنان کی موت نہیں یاد آرہی ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”مگر عدنان ہی کیوں تم نے اب تک سینکڑوں قتل کئے ہیں بتاؤ نور جہاں کہاں ہے... بتاؤ ورنہ میں تمہارے پیٹ پر پوری قوت سے کھڑا ہو جاؤں گا۔“

”میرے پاس... میرے سینے پر“ لوزانا گھٹی گھٹی سی آواز میں بولا اور اس کے بعد اس کے حلق سے ایک بھیانک چیخ نکلی ایسا معلوم ہوا کہ مرنا ہوا بھیٹسا ذکر کر رہا ہو۔ ساتھ ہی اُسے ایک بڑی سی خون کی تہ ہوئی اور اس کا جسم ڈھیلا پڑ گیا۔ فریدی نے ٹانگ چھوڑ دی۔ لوزانا بے حس و حرکت فرش پر پڑا تھا۔

فریدی اس کی جیمیں مٹولنے لگا۔ آخر سینے پر اُسے کوئی سخت سی چیز محسوس ہوئی۔ اس نے اس کا گریبان پھاڑ ڈالا۔ سینے پر چڑے کی چوڑی سی پٹی کسی ہوئی تھی۔ جس میں کئی جیب تھے۔

پھر حمید نے فریدی کی ہتھیلی پر ایک بڑا سا جگمگاتا ہوا ہیرا دیکھا۔

”یہ کیا...؟“ حمید بوکھلا کر بولا۔

”نور جہاں!“

”کیا... ارے... یہ...!“

”ہاں فرزند! میں نے تم سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ کسی خوبصورت سی لڑکی کی توقع نہ

رکھو۔“



دوسری شام.... فریدی، حمید اور فوزیہ ہوٹل ڈی فرانس میں چائے پی رہے تھے۔

”آپ کو نور جہاں کے متعلق کیسے معلوم ہوا کہ...“ فوزیہ نے فریدی سے پوچھا۔

”محض اپنی یادداشت کی بناء پر۔“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ڈیگال نے لوزانا کا تذکرہ

کرتے وقت جب لندن میں کارڈرائیو کرنے والا واقعہ بیان کیا تو میں نے فوراً ہی اندازہ لگالیا

کہ نور جہاں کوئی عورت نہیں ہو سکتی کیوں کہ اسی نام کا ایک ہیرا بھی تھا اور وہ لندن میں اسی

رات کو چرایا گیا تھا جس کی صبح لوزانا نے موٹر ڈرائیو کی مہارت کا مظاہرہ کیا تھا۔ اس اخبار

میں اس چوری کی بھی خبر تھی اور پھر سب سے بڑی بات تو یہ کہ لوزانا اسی خاندان کا مہمان تھا

جس کی ملکیت میں وہ ہیرا تھا۔ چٹرفیلڈ خاندان، لہذا مجھے نتیجہ اخذ کرنے میں دیر نہ لگی۔ اب تم

بتاؤ کہ عدنان کا اس سے کیا تعلق تھا۔“

”میں پہلے ہی بتا دیتی۔“ فوزیہ طویل سانس لے کر بولی۔ ”لیکن ڈیگال نے مجھے روک

دیا تھا۔ اس نے کہا کہ اس سے والد مرحوم کی نیک نامی پر دھبہ لگے گا۔ اسی لئے اس رات

لیوکاس نے مجھے بیہوش کر دیا تھا۔ میں نہیں جانتی تھی کہ کم بختوں کا اصل مقصد کیا ہے۔ خیر ہاں تو

یہ ایک شرمناک بات ہے۔ لیکن مجھے بتانا ہی پڑے گا کہ وہ ہیرا والد مرحوم کے کہنے پر ہی چرایا

گیا تھا۔ لوزانا کا کام ہی یہی تھا۔ معاملہ اسی ہزار پونڈ پر طے ہو گیا۔ والد مرحوم اس ہیرے کے

لے اتنے بے تاب تھے کہ انہوں نے رقم پیشگی ہی دے دی۔ بعد کو بجت معاملہ سے پھر

گیا۔ نہ صرف یہ کہ اس نے ہیرا خود رکھ لیا بلکہ اسی ہزار پونڈ بھی واپس نہیں کئے۔ آپ جانتے

ہیں کہ یہ رقم تھوڑی نہیں تھی۔ خیر والد نے تو صبر کر ہی لیا تھا لیکن اس حرام زادے ڈیگال نے

انہیں بہکایا.... کسی طرح اسے معلوم ہو گیا تھا کہ لوزانا انڈیا میں ہے.... وہ انہیں یہاں لایا۔“

”لیکن آخر لوزانا یہاں کیوں جھک مارنے آیا تھا....“ حمید نے کہا۔

”اوہ.... تم نہیں سمجھتے۔“ فریدی بولا۔ ”ہیروں کی چوری اس کا خاص پیشہ تھا اور تم یہ بھی

جانتے ہو کہ یہاں عنقریب جواہرات کی بین الاقوامی نمائش ہونے والی ہے۔“

”وہ پورے افریقہ کے لئے مصیبت تھا۔“ فوزیہ نے کہا۔ ”ایک طاقتور قبیلہ کا مذہبی پیشوا

ہونے کی بناء پر کوئی اس کی طرف انگلی بھی نہیں اٹھا سکتا تھا۔ حالانکہ اس کے سیاہ کارناموں سے

کبھی واقف تھے۔ کیا وہ ابھی زندہ ہے۔“

”نہیں آج صبح ہسپتال میں مر گیا۔ اس کے پیچھے پڑے پھٹ گئے تھے۔“

”آپ ہی کا کام ہے۔“ فوزیہ اُسے عجیب نظروں سے دیکھتی ہوئی بولی۔ ”آپ جیسا بے

جگر آدمی آج تک میری نظروں سے نہیں گزرا۔“

”اللہ آپ کو یہ جزوی مبارک کرے۔“ حمید نے اردو میں کہا اور اپنا داہنا گال سہلانے

لگا۔

ہوٹل سے واپسی پر حمید نے فریدی سے پوچھا۔ ”آپ نے املیگاس والا واقعہ نہیں

بتایا۔“

”اوہ.... وہ بھی دلچسپ ہے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”جب ہم سانپوں کو پکڑنے کی تدبیر

کر رہے تھے تو میں نے مالتی کی جھانڑیوں میں ایک سیاہ سا متحرک سایہ دیکھا اور یہ میں پہلے ہی

جانتا تھا کہ ہمارا انجام دیکھنے کے لئے کوئی نہ کوئی موجود ضرور ہوگا۔ میں تمہیں وہیں چھوڑ کر مالتی

کی جھانڑیوں کی طرف ریگ گیا۔ وہاں اسلگاس موجود تھا۔ میں نے اس پر جلد ہی قابو پالیا

اُسے لے کر میں کار کی طرف آیا تو تم غائب تھے۔ مجبوراً مجھے دوسرے سانپ کو مارنا ہی پڑا۔

اسلیگاس کو گھرا کر میں نے اس کی خاصی مرمت کی تب کہیں اس نے لوزاٹا کی قیام گاہ کا بتایا۔ پہلے میں سمجھا تھا کہ شاید تم مجھے تنگ کرنے کے لئے کھسک گئے ہو۔ سمجھ میں نہیں آتا/ بیلا تمہیں وہاں سے کیونکر لے گئی۔“

”کلوروفارم.....!“ حمید بڑبڑایا۔ ”مگر ہائے..... میں اس لڑکی کے لئے رنجیدہ ہوں۔ اگر میں نزاکت بھی ہے اور درندگی بھی.... کاش.....!“

”اوہو..... اگر شادی کا ارادہ ہو تو اسے سرکاری گواہ بنا کر بچالیا جائے گا۔“

”شادی.....!“ حمید سر کھجاتا ہوا بولا۔ ”جہاں تک شادی کا سوال ہے مجھے اپنے باپ کی شادی میں بھی شبہ ہے۔“

اس پر فریدی نے وہ شاندار جھاڑ رسید کیا کہ نتیجے کے طور پر اُسے خود اپنے ہی ہاتھ کی مالش کرنی پڑی کیونکہ وہ جھاڑ حمید کی گال کی بجائے دیوار پر پڑا تھا۔

تمام شد